مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام قرآن اکیڈمی کے

ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس

میں داخلے کے لئے طالبانِ علم قرآن سے درخواستیں مطلوب ہیں:

- واضح رہے کہ یہ کورس بنیادی طور پر گریجوایٹس اور پوسٹ گریجوایٹس کے لئے ترتیب دیا گیا ہے۔ پیش نظر یہ ہے کہ وہ حضرات جو کم از کم گریجوایشن کی سطح تک اپنی دنیاوی تعلیم مکمل کر چکے ہیں اور اب بنیادی دینی تعلیم بالخصوص عربی زبان سیکھ کر فہم قرآن کے حصول کے خواہش مند ہوں' انہیں اس کورس کے ذریعے ایک ٹھوس بنیاد فراہم کر دی جائے ـــــ تاہم بعض استثنائی صورتوں میں ایف اے کی بنیاد پر بھی اس کورس میں داخلہ لیا جا سکتا ہے۔
- یہ بھی نوٹ کر لیا جائے کہ کورس کا دورانیہ یکم ستمبر سے 31 مئی' قریباً 9 ماہ بنتا ہے۔ جون' جولائی' اگست کے تین مہینے ابتداء میں کورس میں شامل تھے لیکن گرمی کی شدت کے پیش نظر تدریسی نصاب کا حجم کم کر کے کورس کا دورانیہ کم کر دیا گیا ہے۔

سیشن 02-2001ء کے داخلے کا شیڈول ان شاء اللہ حسب ذیل ہوگا:

- داخلہ فارم جمع کرانے کی آخری تاریخ 26 اگست 2001ء ہے۔
- داخلہ کیلئے انٹرویو 31 راگست 2001ء کو قرآن اکیڈمی لاہور میں ہوں گے۔ (شرکاء کی سہولت کے پیش نظر داخلہ فارم بروقت جمع نہ کرانے والوں کو براہ راست انٹرویو میں شریک کیا جا سکے گا)
- کورس کا آغاز ان شاء اللہ یکم ستمبر 2001ء سے ہو جائے گا۔ پہلے روز تعارفی نوعیت کی کلاس ہوگی' باقاعدہ تدریس کا آغاز ان شاء اللہ سوموار 3 ستمبر 2001ء سے ہوگا۔

کورس کا تفصیلی پراسپکٹس

جس میں داخلے سے متعلق ضروری معلومات کے علاوہ کورس میں شامل مضامین کی تفصیل' طریق تدریس اور نظام الاوقات کی وضاحت بھی شامل ہے' درج ذیل پتے سے حاصل کریں:

ناظم برائے ایک سالہ رجوع الی القرآن کورس

36۔ کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور (فون: 03-5869501)

13 AUG 2001

وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا

(البقرہ: ۲۶۹)

ماھنامہ

حِکمتِ قرآن

لاھور

بیادگار: ڈاکٹر محمد رفیع الدین ایم اے، پی ایچ ڈی، ڈی لٹ، مرحوم

مدیر اعزازی: ڈاکٹر ابصار احمد، ایم اے، ایم فل، پی ایچ ڈی

نائب مدیر: حافظ عاکف سعید، ایم اے (فلسفہ)

معاون: حافظ خالد محمود خضر، ایم ایس سی

جلد ۲۰ | جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ - اگست ۲۰۰۱ء | شمارہ: ۸

— یکے از مطبوعات —

مرکزی انجمن خدام القرآن لاھور

۳۶۔ کے۔ ماڈل ٹاؤن۔ لاھور ۱۴۔ فون: ۵۸۶۹۵۰۱

کراچی آفس: داؤد منزل متصل شادی ہال شاہراہ لیاقت کراچی فون: ۲۱۵۸۶۹

سالانہ زرتعاون: ۸۰ روپے فی شمارہ: ۸ روپے

اس شمارے کی قیمت ۱۵ روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

حرفِ اوّل

''حکمت قرآن'' کا زیرِ نظر شمارہ پروفیسر یوسف سلیم چشتی مرحوم و مغفور کی محققانہ اور چشم کشا کتاب ''اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش'' پر مشتمل ہے۔ یہ ''اشاعت خصوصی'' دو ماہ کی اشاعتوں (جولائی' اگست) کے قائم مقام ہے۔ یہ کتاب جسے ایک مفصل مقالہ قرار دیا جا سکتا ہے' چشتی صاحب مرحوم کی معرکتہ الآ راء تصنیف ''اسلامی تصوف'' جسے محکمہ اوقاف پنجاب نے بڑے اہتمام سے شائع کیا تھا' کے ایک غیر مطبوعہ باب کی حیثیت رکھتی ہے۔

چشتی صاحب مرحوم کی ساری زندگی پڑھنے پڑھانے میں گزری۔ اپنے وسعت مطالعہ اور تبحر علمی کے اعتبار سے وہ ایک غیر معمولی انسان تھے۔ ان کی دلچسپی کے موضوعات میں مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ' تصوف' فلسفہ' اقبالیات اور تاریخ اسلام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان کے نمایاں علمی کارناموں میں علامہ اقبال کے فارسی کلام کی شروح جنہیں شائع کرنے کا شرف عشرت پبلشنگ ہاؤس کو حاصل ہوا' ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔ مرکزی انجمن کے صدر مؤسس' محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سے انہیں خصوصی تعلق خاطر تھا۔ محترم ڈاکٹر صاحب ۶۵ء میں چشتی صاحب مرحوم سے متعارف ہوئے اور پھر چشتی صاحب مرحوم کی زندگی کے آخری سانس تک یہ ربط و تعلق مزید مستحکم ہی ہوتا چلا گیا۔ چشتی صاحب بھی چونکہ اسلام پورہ (سابق کرشن نگر) کے مکین تھے لہٰذا ۱۹۷۲ء میں محترم ڈاکٹر صاحب کے اسلام پورہ سے سمن آباد نقل مکانی تک' قریباً ہر دوسرے روز باہم ملاقات اور مختلف علمی موضوعات پر مفصل تبادلہ خیال کو ایک معمول کا درجہ حاصل رہا۔

چشتی صاحب مرحوم کی زیرِ نظر کتاب کو جسے محکمہ اوقاف پنجاب نے ''تاریخ تصوف'' کا حصہ بنانے سے محض اس لئے انکار کر دیا تھا کہ اس کتاب میں تاریخ تصوف کے حقیقت پسندانہ اور بے لاگ تجزیئے کے ضمن میں بعض سچی اور تلخ باتیں بھی شامل تھیں' محترم ڈاکٹر صاحب نے اولاً مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن کے تحت اکتوبر ۷۶ء میں شائع کیا تھا۔ جولائی ۹۳ء تک اس کے چار ایڈیشن شائع ہو چکے تھے لیکن اب گزشتہ کم و بیش چار سالوں سے آؤٹ آف سٹاک تھی۔ اب اس کتاب کے پانچویں ایڈیشن کی طباعت کے موقع پر نئی کمپیوٹر کمپوزنگ کروائی گئی ہے جس سے اس کے حسن ظاہری میں یقیناً اضافہ ہوا ہے۔ نئی صورت میں کتاب کی باقاعدہ اشاعت سے قبل اس اہم علمی ورثے کو ہدیہ قارئین حکمت قرآن کیا جا رہا ہے۔

فہرست

- ✿ تقریظ ——— از قلم مولانا امین احسن اصلاحی ۵
- ✿ دیباچہ ——— از مؤلف ——— ۸
- ✿ مسلمانوں میں غیر اسلامی تصوف کی اشاعت کے اسباب ۹
  - ✹ پہلی بحث ——— ۱۰
  - ✹ دوسری بحث ——— ۱۷
  - ✹ تیسری بحث ——— ۲۲
  - ✹ چوتھی بحث ——— ۲۷
  - ✹ بیکتاشی فرقہ ——— ۲۹
  - ✹ نوربخشی سلسلہ ——— ۳۰
- ✿ اکابر اہل سنت کی تصانیف میں تدلیس وتدسیس ۴۸
  - ✹ پروفیسر سعید نفیسی کی رائے ۴۸

- حدیقۃ الحقیقۃ تالیف حکیم سنائی غزنوی ۵۳
- فوائد الفوائد ملفوظات خواجہ نظام الدین اولیاء ۵۷
- جامی پر دست درازی ۶۰
- رومی کے دیوان اور ملفوظات میں الحاق ۶۴
- شیخ محی الدین ابنِ عربی پر ظلم ۶۵
- بعض دوسری مثالیں ۶۷

- باطنیت ۸۰
- باطنیت کے اثرات تصوف پر ۸۷
- استدراک ۱۲۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ

از قلم: مولانا امین احسن اصلاحی

(تحریر کردہ: ستمبر ۱۹۷۶ء)

یہ مقالہ ہمارے محترم دوست، پروفیسر یوسف سلیم چشتی کی ایک غیر مطبوعہ کتاب کا ایک باب ہے۔ اس کی اہمیت کے پیش نظر اس کو میثاق کے صفحات میں شائع کیا گیا تو میثاق کے قارئین اور دوسرے علمی و مذہبی حلقوں میں نہایت پسند کیا گیا، یہاں تک کہ اس کے قدر دانوں کے شدید اصرار پر اب اس کو کتابی صورت میں شائع کیا جا رہا ہے۔ پروفیسر صاحب موصوف کے متعلق یہ بات اس مقالہ کے پڑھنے والوں کے علم میں رہنی چاہئے کہ وہ تصوف کے مخالفوں میں نہیں بلکہ اس کے پُر زور حامیوں میں ہیں۔ مذکورہ بالا کتاب، جس سے یہ مقالہ لیا گیا ہے، تصوف کی حمایت اور اس کے مبادی و مقاصد کی وضاحت ہی میں موصوف نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے لکھی ہے۔ وہ خود ایک سلسلۂ تصوف میں مرید، مزاجاً صوفی اور تصوف پسند ہیں۔ لیکن اس کوچہ کی عام روایت کے خلاف ان کے اندر دو باتیں قابلِ رشک بلکہ قابلِ تقلید ہیں۔ ایک یہ کہ ان کا مطالعہ بہت وسیع ہے، دوسری یہ کہ وہ وسعتِ مطالعہ کے ساتھ نہایت گہری تنقید کی صلاحیت کے بھی مالک ہیں اور یہ دونوں وصف بیک وقت کسی شخص، بالخصوص ایک صوفی مزاج شخص، میں مشکل ہی سے جمع ہوتے ہیں۔

میں خود اس مقالے سے غایت درجہ متاثر ہوا ہوں۔ اربابِ تصوف کی چیزیں

پڑھتے ہوئے مجھے ہمیشہ ان کی کتاب وسنت سے ہٹی ہوئی باتوں سے وحشت ہوتی تھی۔ میں ان چیزوں کو خود تصوف کی خرابی پر محمول کرتا تھا' لیکن پروفیسر صاحب کے اس مقالہ سے مجھ پر پہلی مرتبہ یہ بات بدلائل واضح ہوئی کہ ہمارے تصوف میں بھی انہی چور دروازوں سے بہت سے فتنے داخل ہوئے ہیں جن سے تاریخ' حدیث' فقہ' تفسیر' ادب اور فلسفہ میں داخل ہوئے ہیں۔ اس حقیقت کے واضح ہونے سے نفس تصوف سے میری بیزاری کم ہوئی ہے۔ اب میں زیادہ قصور ان لوگوں کا سمجھتا ہوں جو اپنی سادگی اور عامیانہ تقلید کے سبب سے روافض اور سبائیوں کی دسیسہ کاریوں سے آگاہ نہ ہو سکے اور تصوف کے چشمۂ صافی کو انہوں نے ایک جوہڑ بنا کے رکھ دیا۔

مجھے اس احساس سے دِلی مسرت ہوتی ہے کہ اس دَور میں جس طرح عالمانہ تنقید کا نہایت اعلیٰ کام بعض اہل قلم سے تاریخ پر ہو رہا ہے اسی طرح کے تنقیدی کام کی بنیاد تصوف سے متعلق ہمارے محترم پروفیسر صاحب نے اپنے اس بیش قیمت مقالے سے رکھ دی ہے۔ ساری مشکل بس پہلا چراغ جلانے میں ہوتی ہے۔ ایک چراغ جل گیا تو اسی ایک سے بہت سے چراغ جلائے جا سکیں گے۔ ہمیں توقع ہے کہ یہ مقالہ بہتوں کے لئے رہنما ثابت ہوگا اور کیا عجب کہ اس سے دوسرے اصحاب علم کو بھی اس موضوع پر کام کرنے کا حوصلہ ہو اور وہ نہ صرف سارے صوفیانہ لٹریچر بلکہ خود تصوف کے اصول و مبادی کو بھی کتاب وسنت کی کسوٹی پر پرکھ کے اس کے کھرے اور کھوٹے میں ایسا امتیاز قائم کر دیں کہ ایک عام آدمی بھی دھوکے سے محفوظ ہو جائے۔ میں علیٰ وجہ البصیرت یہ رائے رکھتا ہوں کہ معاملہ صرف تصوف کی کتابوں میں الحاق ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ خود ہمارے صوفیاء نے بھی بہت سے ایسے اصول باطنی فلسفیوں کے ہاتھوں اپنا لئے ہیں جو اب تصوف کے مسلمات میں سے سمجھے جانے لگے ہیں' حالانکہ ان کو کتاب وسنت سے کوئی دُور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ میں نے اس طرح کی بعض چیزوں کا اپنی کتاب ''تزکیۂ نفس'' میں حوالہ دیا ہے۔ ضرورت ہے کہ اس نقطۂ نظر سے ان بزرگوں کی

کتابوں کا خاص طور پر جائزہ لیا جائے جن کی ہر چیز ہمارے ہاں ماخذ و مرجع سمجھی جاتی ہے اور ان پر کسی تنقید کی جرأت لوگ آسانی سے نہیں کرتے۔

تنقید کے ضمن میں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ علم و تحقیق کے ساتھ جو تنقید ہوتی ہے وہ علوم کے لئے آبِ حیات ہے۔ اسی سے علم کو سیرابی، تازگی، شادابی اور زندگی حاصل ہوتی ہے اور یہ زندگی ملت میں حرکت و عمل کی لہر پیدا کرتی ہے۔ اگر یہ چیز ناپید ہو جائے تو فکر و نظر کی قوتیں جامد اور حرکت و عمل کی صلاحیتیں مفلوج ہو کر رہ جاتی ہیں اور اس صورتِ حال سے وہ لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں جو دین و ایمان کے دشمن ہوتے ہیں وہ یا تو الحاقی چیزوں کو بنیاد قرار دے کر ان پر گمراہی کا ایک پورا فلسفہ تیار کر دیتے ہیں یا ان کی آڑ لے کر دین کی بنیادی باتوں پر بھی حملہ کر دیتے ہیں۔ اس وقت بدقسمتی سے ہم اسی صورتِ حال سے دوچار ہیں۔ ایک طرف جمود اور عامیانہ تقلید کی بے حسی ہے، اور دوسری طرف خودسرانہ اور جاہلانہ تنقید کی بے راہ روی۔ نتیجہ یہ ہے کہ ان خفتہ پاسبانوں اور ان بے باک لٹیروں کے ہاتھوں تمام متاعِ ملت تاراج ہو رہی ہے۔ ایسے لوگ بہت کم ہیں جو متاعِ ملت کی حفاظت کیلئے اپنے اندر غیرت و حمیت بھی رکھتے ہوں اور ساتھ ہی اللہ نے ان کو وہ بصیرت بھی عطا فرمائی ہو جس سے وہ کھرے اور کھوٹے میں امتیاز اور اصلی و الحاقی میں فرق کر سکیں، باطل کو مٹائیں اور جو حق ہے اس کو دلائل کی تازہ دم کمک کے ساتھ میدان میں لائیں۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی صاحب کا یہ مقالہ دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس بصیرت سے نوازا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی صحت، عمر اور اوقات میں برکت دے کہ وہ اس قسم کی بہت سی مفید چیزیں لکھ سکیں۔

میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سلمہٗ کو بھی مبارک باد دیتا ہوں کہ وہ اس قیمتی مقالہ کو پروفیسر صاحب کے خزانۂ مسودات سے برآمد کرنے میں کامیاب ہوئے اور اس کو اس کے قدر دانوں تک پہنچانے کا اہتمام کیا۔ اللہ تعالیٰ اس کارِ خیر کے لئے ان کو جزائے خیر دے!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

یہ کتابچہ میری زیر تالیف کتاب ''تاریخ تصوف'' کا ایک باب[1] ہے جس میں ان عناصر اور عوامل کی نشان دہی ہے جن کی وجہ سے اسلامی تصوف میں، جو دراصل دین اسلام کی روح اور اس کی جان ہے، غیر اسلامی عقائد کی آمیزش ہوگئی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ایک طرف جدید تعلیم یافتہ طبقہ نفس تصوف ہی سے بدظن ہو گیا اور دوسری طرف خود یہ غیر اسلامی تصوف اپنی ساری افادیت کھو بیٹھا بلکہ جہلاء کے حق میں تو افیون بن گیا اور اہل خانقاہ کے حق میں بے عملی کا بہانہ بن گیا۔

اقبال نے اپنے اردو اور فارسی کلام میں جگہ جگہ اسی غیر اسلامی تصوف کی مذمت کی ہے اور بلاشبہ یہ ہے بھی مذمت کے لائق۔ یہ اسی غیر اسلامی تصوف کا نتیجہ ہے کہ وہ خانقاہیں جہاں مسلمانوں کو ایزد پرستی کا درس دیا جاتا تھا آج شخصیت پرستی بلکہ قبر پرستی کا مرکز بنی ہوئی ہیں اور جہاں ہر طرف اتباعِ رسولؐ کے جلوے نظر آتے تھے، آج وہ خانقاہیں قوالی کی محفلوں میں تبدیل ہوگئی ہیں بلکہ شرک و بدعت کا مرجع بن گئی ہیں ؎

یہ معاملے ہیں نازک، جو تری رضا ہو تو کر
کہ مجھے تو خوش نہ آیا یہ طریق خانقاہی (اقبال)

میں محترمی و مکرمی مولانا امین احسن اصلاحی کا بہت ممنون ہوں کہ انہوں نے اس کتابچے کے لئے پیش لفظ لکھ کر میری حوصلہ افزائی کی اور برادرم اسرار احمد سلمہٗ کے حق میں دعائے خیر کرتا ہوں کہ انہوں نے اس کی طباعت کا انتظام کیا۔ قارئین سے التماس ہے کہ وہ دعا کریں کہ اللہ مجھے اس ضخیم کتاب کے مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وابستہ دامنِ حضرت مدنیؐ فقیر یوسف سلیم چشتی

---

(۱) چشتی صاحب مرحوم کی مذکورہ کتاب محکمہ اوقاف کے زیر اہتمام شائع ہوئی لیکن یہ خاص باب جس پر یہ کتاب مشتمل ہے، بوجوہ اس میں شامل نہیں کیا گیا۔ گویا ''تاریخ تصوف'' کا یہ اہم باب اصل کتاب میں دستیاب نہیں ہے۔

مسلمانوں میں
غیر اسلامی تصوف کی اشاعت کے اسباب

اس سے پہلے ہم یہ ثابت کر چکے ہیں[۱] کہ اسلامی تصوف قرآن و حدیث (سنّت نبویؐ) سے ماخوذ ہے اور اس کے اجزائے ترکیبی یہ ہیں:

۱) توحید خالص، ۲) تبلیغ دین، ۳) اتباعِ شریعت، ۴) خدمت خلق، ۵) جہاد

لیکن اس میں شک نہیں کہ چوتھی صدی ہجری کے بعد مسلمانوں میں غیر اسلامی تصوف بھی راہ پا گیا، اور یہ تصوف چونکہ عجمی یا غیر اسلامی تھا اس لئے اس کے اجزائے ترکیبی اسلامی تصوف کی ضد تھے، یعنی (۱) شرک (حلول و اتحاد و انسان پرستی و تجسم و تناسخ ارواح) (۲) رہبانیت (۳) تخریب دین (۴) اباحت مطلقہ (۵) نفاق اور مداہنت[۲]۔

یہی وجہ ہے کہ امام ابن تیمیہؒ اور امام ابن القیمؒ سے لے کر شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ صاحب تک، ملت اسلامیہ کے تمام مجددین اور اولیائے اُمت نے اپنی پوری قوّت کے ساتھ اس غیر اسلامی تصوف کے خلاف علَمِ جہاد بلند کیا، اور مسلمانوں کو اس کے مفاسد سے آگاہ کر کے بلاخوفِ لومۃ لائم اپنا فرضِ منصبی انجام دیا۔

بہرکیف جس طرح بعض مسلمانوں کی گمراہی سے اسلام پر کوئی حرف نہیں آ سکتا

---

۱) ملاحظہ ہو "تاریخ تصوف" کا باب "اسلامی تصوف"۔

۲) ترجمان حقیقت اکبرالہ آبادی مرحوم نے اس شعر میں انہی مفاسد کی طرف اشارہ کیا ہے:

بہت ہی کم پائے اپنے عارف کلام باری نے ہم میں آ کر
سرے سے بگڑا ہے سچ جو پوچھو عرب کا مذہب عجم میں آ کر

اسی طرح بعض صوفیوں کی گمراہی سے اسلامی تصوف مورد طعن نہیں بن سکتا۔ آئندہ سطور میں ہم یہ دکھادیں گے کہ مسلمانوں میں غیر اسلامی یا عجمی تصوف کی اشاعت کے اسباب کیا تھے۔ واضح ہو کہ یہ بحث بہت تفصیل طلب ہے مگر اس کتاب میں تفصیل کی گنجائش نہیں ہے اس لئے ہم اجمال پر اکتفا کریں گے۔

پہلی بحث

واضح ہو کہ ابتدائے اسلام سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے وسط تک مسلمانوں میں کوئی فرقہ نہ تھا' اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں مسلمانوں کو حزب اللہ قرار دیا گیا ہے۔

﴿أُولٰئِکَ حِزْبُ اللّٰهِ ط اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝﴾

(المجادلة:۲۲)

''یہ لوگ (جن کی صفات اوپر بیان ہو چکی ہیں) اللہ کی پارٹی یا جماعت یا فوج ہیں' اور آگاہ ہو جاؤ کہ یقیناً اللہ ہی کی جماعت فلاح پائے گی۔''

ظاہر ہے کہ اگر کسی فوج یا جماعت میں تفرقہ پیدا ہو جائے تو اس کا خاتمہ یا مغلوب ہو کر غلام ہو جانا اور اپنی ہستی سے محروم ہو جانا یقینی ہے۔ اس لئے از روئے عقل و نقل مسلمانوں میں کوئی فرقہ پیدا ہو ہی نہیں سکتا تھا اور اسی لئے اللہ نے قرآن حکیم میں بار بار مسلمانوں کو متنبہ فرمایا ہے کہ دیکھو! اپنے اندر فرقہ بندی' گروہ بندی' تشتت' افتراق یا پارٹی بازی کو راہ نہ دینا' ورنہ تباہ ہو جاؤ گے۔

بخوفِ طوالت صرف چند آیتوں پر اکتفا کرتا ہوں۔

(ا) ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ص﴾ (آل عمران:۱۰۳)

''(اے مسلمانو!) تم سب مل کر اللہ کی رسی (قرآن) کو مضبوطی سے تھام لو اور مختلف فرقوں میں منقسم مت ہو۔''

(ب) ﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ط﴾

(آل عمران: ۱۰۵)

''اور (اے مسلمانو!) ان لوگوں (یہود و نصاریٰ) کی طرح مت ہو جانا جو

مختلف فرقوں میں بٹ گئے اور جنہوں نے اللہ کی طرف سے واضح دلیلیں آ جانے کے بعد بھی آپس میں اختلاف کیا (اور اس اختلاف کی وجہ سے ان میں عقائد کی خرابیاں پیدا ہو گئیں)''

ج) ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ﴾

(الانعام: ١٦٠)

''جن لوگوں (مسلمانوں) نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور کئی فرقوں میں منقسم ہو گئے تم کو ان سے کوئی علاقہ یا سروکار نہیں ہے۔''

د) ﴿وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ﴾

(الانفال: ٤٦)

''(اے مسلمانو!) آپس میں نزاع (جھگڑا) مت کرو (کیونکہ نزاع سے تفرقہ پیدا ہو گا اور فرقہ بندی سے) تمہارے اندر بزدلی پیدا ہو گی اور (اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ) تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی' اور دشمن کے مقابلے میں ثابت قدم رہو!''

اس آخری آیت سے فرقہ بندی کی مضرت کے علاوہ یہ بھی ثابت ہوا کہ قرآن کا نازل کرنے والا مسلمانوں کو ایک متحد الخیال اور متحد المقصد فوج کے افراد قرار دیتا ہے' جن کے حق میں اختلاف سمِ قاتل سے بھی زیادہ مہلک ہے۔ اسی لئے انہیں متنبہ کرتا ہے کہ دیکھنا! کہیں آپس میں نزاع کو راہ نہ دینا اور فرقوں میں منقسم نہ ہو جانا' کیونکہ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ تمہاری جماعت کے اندر مختلف الخیال گروہ (فرقے) پیدا ہو جائیں گے اور فرقہ بندی کا نتیجہ یہ ہو گا کہ تم آپس میں لڑو گے اور آپس کی لڑائی کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ دشمنوں کے دلوں سے تمہارا رُعب اٹھ جائے گا' بالفاظِ دیگر تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور تمہارے اندر بزدلی پیدا ہو جائے گی۔ اس تنبیہ کے بعد آخری نصیحت یہ فرمائی کہ دشمنوں کے مقابلے میں ثابت قدم رہو!

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی تجربہ کار سپہ سالار اپنی فوج کے نوجوانوں کو نصیحت کر رہا ہے۔ فی الجملہ اس آیت سے ثابت ہو گیا کہ قرآن حکیم مسلمانوں کو اللہ کی فوج قرار دیتا ہے۔ اور اس کی مزید تائید اس آیت سے ہوتی ہے:

﴿اُولٰئِکَ حِزْبُ الشَّیْطٰنِ ط اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّیْطٰنِ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝﴾

(المجادلة:۱۹)

''یہ لوگ شیطان کا گروہ ہیں' اور آگاہ ہو جاؤ کہ شیطان کے گروہ کے لوگ گھاٹے میں رہیں گے۔''(۳)

یہ حقیقت کہ قرآن کی رو سے (اللہ کی نگاہ میں) مسلمان قوم یا ملت اسلامیہ اللہ کی فوج ہے' اس آیت سے بھی ثابت ہوتی ہے:

﴿اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝﴾ (الصف:٤)

''بلاشبہ اللہ محبت کرتا ہے اُن لوگوں سے جو اُس کی راہ میں اس طرح صف باندھ کر لڑتے ہیں گویا کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی عمارت ہیں۔''

چونکہ مسلمان اللہ کی فوج ہیں اسی لئے ان کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ دشمنانِ اسلام کا مقابلہ کرنے کے لئے تیاری سے غافل نہ ہوں:

﴿وَاَعِدُّوْا لَھُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّۃٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ تُرْھِبُوْنَ بِہٖ عَدُوَّ اللّٰہِ وَعَدُوَّکُمْ.....﴾ (الانفال: ٦٠)

''(اے مسلمانو!) دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے تیاری کرو جس قدر تم سے ممکن ہو سکے' یعنی مادی قوّت فراہم کرو اور گھوڑے باندھو (یعنی پلٹن اور رسالے تیار کرو)''

اس سلسلے میں قولِ فیصل یہ ہے کہ اللہ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو جنت کے عوض خرید لیا ہے۔ یعنی جس طرح دنیاوی حکومتوں میں یہ قاعدہ ہے کہ جب ایک شخص فوج میں بھرتی ہوتا ہے تو اسی وقت سے وہ اپنی زندگی اور اپنی مرضی افسرِ فوج کے حوالے کر دیتا ہے' ٹھیک اسی طرح ایک شخص جب کلمہ پڑھ لیتا ہے تو حزب اللہ میں داخل ہو جاتا ہے اور اسے اپنی جان یا اپنے مال پر کوئی اختیار باقی نہیں رہتا:

---

۳) قرآن کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو صرف دو جماعتوں میں تقسیم کیا ہے: ۱) حزب اللہ (اللہ کی جماعت) ..... ۲) حزب الشیطان (شیطان کی جماعت) ان دو کے علاوہ جس قدر جماعتیں ہیں وہ انسانوں نے خود بنائی ہیں۔

﴿اِنَّ اللّٰہَ اشۡتَرٰی مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَنۡفُسَہُمۡ وَ اَمۡوَالَہُمۡ بِاَنَّ لَہُمُ الۡجَنَّۃَ ؕ یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ فَیَقۡتُلُوۡنَ وَ یُقۡتَلُوۡنَ ۟﴾ (التوبة: ۱۱۱)

''اللہ نے مؤمنوں سے اُن کی جانوں اور اُن کے مالوں کو جنت کے بدلے میں خرید لیا ہے (اب ان کا کام صرف یہ ہے کہ) وہ اللہ کی راہ میں لڑیں گے۔ (جس کا نتیجہ لازمی طور سے یہ ہوگا کہ) وہ قتل کریں گے اور قتل ہوں گے۔''

قرآن مجید میں اس نوعیت کی آیتیں بہت سی ہیں۔ ایضاحِ مقصد کے لئے اتنی ہی آیتیں کافی ہیں۔ قرآن حکیم نے مسلمانوں کی امتیازی صفت یہ بیان کی ہے:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰہِ ؕ وَ الَّذِیۡنَ مَعَہٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الۡکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیۡنَہُمۡ......﴾ (الفتح: ۲۹)

''(حضرت) محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں' اور جو لوگ آپ (ﷺ) کے ساتھ ہیں (ان کی شناخت یہ ہے کہ) وہ کافروں پر سخت ہیں (مگر) آپس میں رحیم ہیں......''

اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ فرقہ بندی اسلام کی ضد ہے' کیونکہ فرقہ بندی کا لازمی نتیجہ آپس میں نزاع ہے۔

بلاشبہ قرآن حکیم نے مسلمانوں کو ''خدائی فوج دار'' قرار دیا ہے' یعنی ان کا کام یہ ہے کہ وہ دنیا سے برائی کو مٹائیں اور نیکی کی اشاعت کریں۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ:

﴿کُنۡتُمۡ خَیۡرَ اُمَّۃٍ اُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ تَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَ تَنۡہَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ وَ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ ؕ﴾ (آل عمران: ۱۱۰)

''(اے مسلمانو!) تم دنیا میں بہترین جماعت ہو جو انسانوں کے لئے برپا کی گئی ہے' تم (ان کو) نیکی کا حکم دو گے اور برائیوں سے منع کرو گے۔''

ظاہر ہے کہ اگر مسلمان خود مختلف فرقوں میں منقسم ہو جائیں گے تو نہ ان میں اتحاد باقی رہے گا' نہ دوسروں کی اصلاح کا جذبہ باقی رہے گا اور نہ اس کے لئے وقت مل سکے گا۔ جو جماعت آپس میں لڑنے لگتی ہے وہ خود محتاجِ اصلاح ہو جاتی ہے۔

قصہ کوتاہ قرآن کی ان صریح آیتوں سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ فرقہ بندی

اسلام کی ضد ہے اور منشاءِ ایزدی کی عملاً تردید ہے۔

یہ آیتیں صدرِ اوّل کے مسلمانوں کے سامنے تھیں اور حضور ﷺ نے ۲۳ سال کی مدت میں ان کے اندر وحدتِ افکار و کردار پیدا کر دی تھی۔ تمام مسلمانوں کے سامنے ایک ہی مقصد تھا اور ایک ہی نصب العین تھا' یعنی اعلاءِ کلمۃ الحق' اللہ کے کلمے (قرآن) کو دنیا میں بلند کرنا۔ ان کا جینا اور مرنا سب اللہ ہی کے لئے تھا۔ (۴)

اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر فطرتِ انسانی کا عالم اور کون ہو سکتا ہے؟ انسان کی فطرت یہ ہے کہ اگر وہ کسی شخصیت کو اپنا مقصود بنا لے اور اس کے لئے اپنی زندگی بسر کرنے لگے تو رفتہ رفتہ وہ خدا پرستی سے بیگانہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ جب غیر اللہ مطمحِ نظر اور مقصودِ حیات بن گیا تو اللہ خود بخود نگاہ اور دل و دماغ سب سے اوجھل ہو جائے گا۔ اور شخصیت پرستی چونکہ شرکِ عظیم ہے اس لئے مسلمان' مسلمان نہیں رہ سکتا' مشرک ہو جائے گا' ویسا ہی مشرک جیسا کہ عیسیٰؑ یا کرشن یا لات و ہبل کا پرستار۔

اس لئے قرآن نے شخصیت پرستی کا خاتمہ کر دیا۔ اور تاریخ مذاہب کا تقابلی مطالعہ کرنے سے یہ بات ثابت ہو سکتی ہے کہ قرآن سے بڑھ کر کسی الہامی یا آسمانی کتاب نے شخصیت پرستی کی تردید نہیں کی۔ کسی انسان کی پرستش کی بنیاد یہ عقیدہ ہے کہ اس انسان میں الوہیت کا رنگ پایا جاتا ہے۔ اسی عقیدے نے رفتہ رفتہ تجسم یا حلول یا اوتار کے عقیدے کی شکل اختیار کر لی۔ دنیا میں جن جن انسانوں کی پرستش کی گئی ہے پہلے اُن میں الوہیت تسلیم کی گئی' پھر ان کی پرستش شروع ہوئی۔ اسی لئے قرآن نے شخصیت پرستی کا جس خوبی سے سدّ باب کیا ہے وہ مذاہب عالم کی تاریخ میں بے نظیر ہے۔

(۱) مسلمانوں کو حکم دیا کہ آنحضرت ﷺ کی رسالت سے پہلے آپؐ کی بشریت اور عبدیت کا اقرار کریں۔

اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

---

۴) ﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝﴾ (الانعام: ۱۶۳)
''آپ کہہ دیجئے کہ بلاشبہ میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت سب اللہ کے لئے ہے جو ساری کائنات کا رب ہے''۔

اس کلمۂ شہادت میں عبدہٗ پہلے ہے رسولہٗ بعد میں ہے۔

ب) ﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ.....﴾ (الکھف: ۱۱۰)

''(اے رسول!) آپ اعلان کر دیجئے کہ میں تمہاری ہی طرح ایک بشر ہوں۔''

ج) ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓي اَعْقَابِكُمْ ۭ﴾ (آل عمران: ۱۴۴)

''اور حضرت محمد (ﷺ) نہیں ہیں مگر ایک رسول' ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ اگر وہ وفات پا جائیں یا قتل ہو جائیں تو (اے مسلمانو!) کیا تم اپنی ایڑیوں پر پھر جاؤ گے؟ (یعنی اسلام چھوڑ دو گے؟)''

اس نص صریح سے ثابت ہوا کہ اسلام کی روح خدا پرستی ہے' شخصیت پرستی نہیں ہے' خواہ وہ شخصیت رسول ہی کی کیوں نہ ہو۔ اب یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ اسلام میں کوئی شخصیت رسول اللہ ﷺ سے ارفع نہیں ہے' لیکن اللہ نے اپنے دین اسلام کو رسول اللہ ﷺ کی شخصیت سے وابستہ نہیں کیا۔ تا بدیگراں چہ رسد؟

اسلام کی تاریخ میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو یہ فخر حاصل ہے کہ سب سے پہلے انہوں نے مسلمانوں کو اس حقیقت سے آگاہ کیا کہ اسلام شخصیت پرستی کا نام نہیں ہے' بلکہ خدا پرستی کا نام ہے' یعنی مسلمان کا مقصود و مطلوب صرف اللہ ہے جو حیٌّ لَّا یَمُوْتُ ہے۔

جب سالم بن عبیدؓ کے ذریعے حضرت ابوبکرؓ کو حادثۂ رحلت سرورِ عالم ﷺ کی خبر پہنچی تو آنجنابؓ فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر کاشانۂ نبوت میں تشریف لائے' آنحضرت ﷺ کے جسدِ اطہر کے قریب کھڑے ہو کر رُخِ روشن سے چادر اٹھائی' پیشانی مبارک پر بوسہ دیا' گریہ کناں آپؐ کو مخاطب کر کے یوں گویا ہوئے:

''میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں! آپؐ زندگی میں بھی پاک اور صاف رہے اور اب موت کے بعد بھی پاک اور صاف ہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ اللہ آپؐ کو ہرگز دو موتیں نہیں دے گا۔ وہ موت جو اللہ نے آپ کے لئے مقدر کر دی تھی وہ تو آپ کو آ ہی گئی۔''

یہ کہہ کر مسجد نبویؐ میں تشریف لائے۔ یہاں عجیب کہرام مچا ہوا تھا۔ فاروق اعظمؓ کہہ رہے تھے کہ حضور ﷺ کی وفات نہیں ہوئی ہے۔ صدیق اکبرؓ نے انہیں سمجھایا اور کہا بیٹھ جاؤ۔ وہ بیٹھ گئے تو آنجنابؓ نے تقریر شروع کی۔ حمد وثناء کے بعد فرمایا:

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنَّ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ مَاتَ، وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَإِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَّا يَمُوْتُ. قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـــًٔا ۭ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝﴾ (صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب الدخول علی المیت بعد الموت اذا ادرج فی اکفانه)

''پس تم میں سے جو شخص حضرت محمد (ﷺ) کی عبادت کرتا تھا وہ سن لے کہ بلاشبہ آنحضرت ﷺ وفات پا گئے، لیکن جو شخص اللہ کی عبادت کرتا ہے اسے معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ بے شک زندہ ہے جسے کبھی موت نہیں آئے گی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''محمد (ﷺ) نہیں ہیں مگر (اللہ کے) ایک رسول۔ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ پس اگر ان کو موت آجائے یا وہ قتل کر دیئے جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں کے بل پیچھے کو لوٹ جاؤ گے؟ (اسلام ترک کر دو گے؟) اور جو شخص ایسا کرے گا تو وہ اللہ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا اور اللہ شکر کرنے والوں کو عنقریب جزا دے گا!''

یہ تقریر سن کر حاضرین پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ لیکن ساتھ ہی انہیں ایسا معلوم ہوا کہ یہ آخری آیت گویا انہیں معلوم ہی نہ تھی۔ اب حضرت صدیق اکبرؓ نے اس کی تلاوت کی تو اُن کی آنکھوں سے پردہ اٹھ گیا، اور یہ آیت اس قدر مؤثر ثابت ہوئی کہ ہر شخص اس کی تلاوت کر رہا تھا۔

خلاصۂ کلام ایں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ اور حضرات شیخین (رضی اللہ عنہما) نے زبانی تعلیم اور اپنے طرزِ عمل سے یہ بنیادی حقیقت مسلمانوں کے دلوں میں جاگزیں کر دی تھی کہ فرقہ بندی اسلام کی ضد ہے اور مسلمانوں کی حیاتِ اجتماعی کے حق میں سم

قاتل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عہد نبویؐ اور عہد خلافت شیخینؓ میں کوئی فرقہ موجود نہ تھا۔ اور اس وحدتِ فکر و عمل ہی کا یہ ثمرہ تھا کہ مسلمانوں نے خلافت شیخینؓ اور حضرت عثمانؓ کی خلافت کے ابتدائی دَور میں عدیم المثال کامیابی حاصل کی جس کی تفصیل تاریخ اسلام کے صفحات سے واضح ہوسکتی ہے۔ یہ کامیابی اس قدر حیرت انگیز ہے کہ آج تک بہت سے غیر مسلم مؤرخین کے لئے ایک عقدۂ لاینحل بنی ہوئی ہے۔ اقبال نے اسی عقدے کو اس شعر میں حل کیا ہے ۔

وحدتِ افکار و کردار آفریں
تا شوی اندر جہاں صاحب نگیں

دوسری بحث

مسلمانوں کے ہاتھوں یہود کو جو ذلت نصیب ہوئی اس کی خلش ان کے دل سے کبھی محو نہ ہوسکی۔ چنانچہ مسلمانوں کی طاقت کو ضعف پہنچانے اور اسلامی تعلیمات کو مسخ کرنے کے لئے حضرت عثمانؓ کی خلافت کے آخری دَور میں یمن کے ایک یہودی عبداللہ بن سبا نے مدینے میں آکر منافقانہ طور پر اسلام قبول کیا۔

کسی یہودی کے لئے مسلک نفاق اختیار کرنا کوئی نئی یا دشوار بات نہیں تھی، خود حضورِ انور ﷺ کے عہد مبارک میں عبداللہ بن ابی نے منافقانہ طور پر اسلام قبول کرلیا تھا۔ وہ جب تک زندہ رہا فتنہ پردازی میں مشغول رہا لیکن حضور انور ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں دینِ حق میں کسی قسم کے باطل کی آمیزش نہ کرسکا۔

چونکہ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن سبا کوئی تاریخی شخصیت نہیں ہے اس لئے اس کی فتنہ پردازی کی داستان قلم بند کرنے سے پہلے چند تاریخی شواہد پیش کرنا ضروری ہیں تاکہ اس کی شخصیت متحقق ہوجائے۔

۱) مہدی توحیدی پور (پیرو مذہب شیعہ) نفحات الانفس (جامیؒ) کے مقدمے میں صفحہ ۲۹ پر لکھتا ہے:

''اولین کسیکہ نسبت الوہیت بحضرت امیر داد عبداللہ بن سبا بود کہ در زمان آنحضرت زندگی میکرد۔''

ترجمہ: ''پہلا شخص جس نے حضرت امیر کو الوہیت سے نسبت دی' عبداللہ بن سبا تھا جس نے آنحضرت کے زمانے میں زندگی بسر کی۔''

۲) ڈاکٹر کلین (KLEIN) ''الابانہ عن اصول الدیانہ'' کے انگریزی ترجمے کے مقدمے میں صفحہ ۷' ۸ پر لکھتا ہے:

''عبداللہ بن سبا یہودی نومسلم نے جب حضرت علیؓ سے ملاقات کی تو اُن سے یہ کہہ کر مخاطب ہوا: ''اَنْتَ اَنْتَ''۔ اس جملے سے اس کا مطلب یہ تھا کہ تو خدا ہے۔ یہ سن کر حضرت علیؓ نے اسے جلاوطن کر دیا' کیونکہ اُن کی رائے میں یہ جملہ کفر صریح تھا۔ لیکن عبداللہ بن سبا کے پیروؤں کے دلوں میں یہ عقیدہ جاگزیں ہو چکا تھا کہ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) اس دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے۔ نیز یہ کہ اُن کے اندر الوہیت کا ایک جزء حلول کر گیا تھا اور یہ جزء الوہیت بصورت تناسخ ارواح ان کے جانشینوں میں درجہ بدرجہ منتقل ہوتا رہا۔''

۳) سر ولیم میؤر (MUIR) اپنی تصنیف ''الخلافت ـــــ اس کا عروج' انحطاط اور زوال'' میں صفحہ ۲۱۶ پر لکھتا ہے:

''۳۲ھ میں جب کہ بن عامر بصرے کا گورنر تھا' عبداللہ بن سبا نے' جسے عام طور سے ابن سوداء کہتے تھے' بصرے میں آ کر اسلام قبول کیا' لیکن بہت جلد یہ حقیقت آشکار ہو گئی کہ وہ دراصل حکومت وقت کے خلاف شدید باغیانہ خیالات رکھتا تھا۔ بلکہ اس کی ذات مجسم بغاوت تھی۔ چنانچہ ان ہی باغیانہ خیالات کی وجہ سے اسے بصرہ' کوفہ اور دمشق سے پے در پے جلاوطن کیا گیا۔ انجام کار مصر میں اسے گوشۂ عافیت میسر آ گیا اور یہاں بیٹھ کر اس نے عجیب و غریب' بلکہ ہوشربا اور سراسر اسلام کے خلاف عقائد کی اشاعت شروع کی۔ مثلاً: (ا) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح آنحضرت ﷺ بھی دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے۔ (ب) فی الحال حضرت علی رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے وصی' وارث یا جانشین ہیں۔ (ج) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ (نعوذ باللہ منہ) غاصب ہیں۔ اس لئے جب تک اُن کی حکومت کا قلع قمع نہیں کیا جائے گا اس وقت تک صداقت اور عدالت کا قیام ناممکن ہے۔

مصر میں ان عقائد کو بہت جلد قبولیت حاصل ہو گئی۔

۴) پروفیسر نکلسن اپنی تصنیف ''عربوں کی ادبی تاریخ'' میں صفحہ ۲۱۵ پر لکھتا ہے:
''عبداللہ بن سبا (جس کا صحیح تلفظ سباع ہے) یمن کے شہر صنعاء کا باشندہ تھا اور دراصل یہودی تھا۔ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں اسلام لایا اور بظاہر ایک گشتی مبلغ بن گیا۔ طبری کہتا ہے کہ اس نے مختلف شہروں کا سفر کیا اور اس کا مقصد مسلمانوں کو گمراہ کرنا تھا۔ انجام کار اس نے مصر میں سکونت اختیار کر لی۔ یہاں اس نے مسلمانوں کو ''رجعت'' کی تعلیم دینا شروع کی۔ یعنی اس نے مسلمانوں سے کہا کہ یہ بات صداقت سے کس قدر بعید ہے کہ ایک مسلمان اس بات پر تو ایمان رکھتا ہے کہ مسیح " دوبارہ دنیا میں آئیں گے لیکن آنحضرت (ﷺ) کی رجعت کا انکار کرتا ہے' حالانکہ خدا نے قرآن مجید (القصص: ۸۵) میں اعلان فرمایا ہے کہ وہ دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے۔ علاوہ ازیں ایک ہزار انبیاء ایسے گزرے ہیں جن میں ہر نبی کا ایک وصی تھا' لہٰذا حضرت علی (رضی اللہ عنہ) آنحضرت ﷺ کے وصی ہیں۔ جس طرح آنحضرت ﷺ خاتم الانبیاء ہیں اسی طرح حضرت علیؓ خاتم الاوصیاء ہیں۔ بن سباع (نقل کفر کفر نہ باشد) خلفائے ثلاثہ (رضی اللہ عنہم) کو (نعوذ باللہ) غاصب قرار دیتا تھا۔ اس نے حضرت علیؓ کی حمایت میں سازشوں کا جال بچھا دیا اور اسلامی سلطنت کے مختلف صوبوں میں جو لوگ حضرت عثمانؓ کے خلاف تھے' اُن سے خفیہ مراسلت کا سلسلہ شروع کر دیا۔'' (دیکھو طبری ۱' ۲۹۴۲' ۲)

۵) ڈاکٹر جے این ہالسٹر اپنی تصنیف ''شیعانِ ہند'' میں صفحہ ۱۵ پر لکھتا ہے:
''حضرت علی (رضی اللہ عنہ) کے حق میں عبداللہ بن سباع نے سب سے پہلے پروپیگنڈہ شروع کیا۔ وہ صنعاء کا یہودی تھا۔ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں اسلام لایا اور مختلف شہروں میں جا کر ان عقائد کی تبلیغ کی کہ آنحضرت (ﷺ) دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے اور حضرت علیؓ آنحضرت (ﷺ) کے وصی ہیں۔ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ خلفائے ثلاثہؓ (نعوذ باللہ) غاصب ہیں' کیونکہ آنحضرت (ﷺ) کے اندر جو الوہیت تھی وہ ان کی وفات کے بعد حضرت علیؓ کی ذات میں منتقل ہو گئی۔ جو لوگ حضرت عثمانؓ سے ناخوش تھے انہوں نے اس کی دعوت پر لبیک کہا۔''

۶) پروفیسر پی کے ہٹی اپنی تصنیف ''عربوں کی تاریخ'' مطبوعہ لندن، طبع چہارم ۱۹۴۹ء میں صفحہ ۲۴۸ پر لکھتا ہے:

''عبداللہ بن سباع، جس کی شخصیت ایک معما ہے، حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں مسلمان ہوا۔ اس نے حضرت علیؓ کی تعظیم میں اس درجہ مبالغہ کیا کہ وہ پریشان ہو گئے۔ یہ شخص غالی شیعہ فرقے (غلاۃ) کا بانی تھا۔''

۷) پروفیسر عباس اقبال، معلم دارالمعلمین عالی، طہران اپنی تالیف ''خاندانِ نوبختی'' کے صفحہ ۲۵۷ پر لکھتا ہے:

''سبائیہ: اوّلین فرقہ غلاۃ، طرف داران عبداللہ بن سباء کہ پیش از ہر کس باظہار طعن ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ پرداختہ و معتقد بحیاتِ جاوید و رجعت حضرت علیؓ و الوہیت اُو بودہ اند۔ امیر المؤمنین علی، عبداللہ بن سباء را بقتل رساند۔ فرقہ نصیریہ از باز ماندگان سبائیہ بودہ اند''

لفظی ترجمہ یہ ہے:

''سبائیہ غالی فرقوں میں سب سے پہلا فرقہ ہے۔ یہ لوگ عبداللہ بن سباء کے طرف دار تھے جنہوں نے سب سے پہلے (حضرات) ابوبکر و عمر و عثمان (رضی اللہ عنہم) پر طعن کا اظہار کیا۔ اور یہ لوگ حضرت علی کی حیاتِ جاوید اور رجعت (دوبارہ دنیا میں واپسی) اور الوہیت کے معتقد تھے۔ امیر المؤمنین علیؓ نے عبداللہ بن سباء کو قتل کر دیا۔ فرقہ نصیریہ کے افراد اسی فرقہ سبائیہ کے باقی ماندہ افراد میں سے تھے۔''

۸) امام محمد بن عبدالکریم شہرستانی اپنی مشہور تالیف '' **الملل و النحل** '' میں لکھتے ہیں:

''و من ذلک سبائیۃ اصحاب عبداللہ بن سباء کہ با امام المتقین حیدر گفت تو ئی کہ تو ئی بکنایۃ آں شقاوت پیشہ می گفت کہ تُو خدائی اوّل کسے بود کہ بفرضیت امامت علی رضی اللہ عنہ قایل شد و اصناف غلاۃ ازیں مخذول متشعب گشتند۔ ورائے خامد بداں ذاہب شد کہ امام المتقین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقتول نگشتہ و در آں حضرت جزوے از اجزائے الٰہی موجود است۔ تعالی اللہ عما

یقولون ۔ رعد صوت اوست و برق تازیانۂ اوست ۔''

(ترجمہ از افضل الدین صدر ترکہ اصفہانی' بخش اول صفحہ ۱۸۸)

لفظی ترجمہ یہ ہے: ''اور ان فرقوں میں سے ایک فرقہ سبائیہ ہے۔ یہ عبداللہ بن سباء کے اصحاب ہیں جس نے حضرت علی سے کہا کہ تو' تو ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تُو خدا ہے۔ عبداللہ بن سباء پہلا شخص ہے جو امامت علی رضی اللہ عنہ کی فرضیت کا قائل ہوا اور غلاۃ کے مختلف فرقے اسی مخذول شخص کی تعلیمات سے پیدا ہوئے۔ اس کی رائے میں:

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ مقتول نہیں ہوئے۔

(۲) اور ان میں الوہیت کے اجزاء میں سے ایک جزء موجود تھا۔ اللہ کی شان ان باتوں سے جو یہ لوگ کہتے' ہیں بہت بلند ہے۔ رعد اُن کی آواز ہے اور برق ان کا تازیانہ ہے۔''

مجھے یقین ہے کہ ان شواہد کا مطالعہ کرنے کے بعد کسی شخص کو اس حقیقت کے تسلیم کرنے میں کوئی تامل نہ ہوگا کہ عبداللہ بن سباء تاریخ اسلام میں پہلا شخص ہے جس نے مسلمانوں میں فتنہ وفساد کا بیج بویا۔

باز آمدم بر سر مطلب:

عبداللہ بن سباء نے جن عقائد کی تلقین کی ان کا اجمالی تذکرہ سطور بالا میں بیان کیا جا چکا ہے۔ ان کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد یہ حقیقت واضح ہو سکتی ہے کہ اس نے ایک تیر سے دو شکار کئے:

۱) اسلام کے بنیادی عقائد میں غیر اسلامی اور مشرکانہ عقائد داخل کر دیئے۔

۲) مسلمانوں کی وحدت ملی اور یک جہتی و یک رنگی اور یک نگاہی کو پارہ پارہ کر دیا۔

بالفاظِ دیگر وہ اپنے مقصد میں پوری طرح کامیاب ہو گیا' یعنی اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خدا بنا کر مسلمانوں میں انسان پرستی کا عقیدہ راسخ کر دیا اور تفرقہ پیدا کر کے مسلمانوں کو مسلمانوں کے خلاف صف آرا کر دیا۔

اس شخص کی منافقانہ روش اور فتنہ انگیزی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ حضرت

علی رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کرایا لیکن جو خفیہ جماعت اس نے پیدا کر دی تھی اور جس قسم کے غیر اسلامی عقائد اس جماعت میں راسخ کر دیئے تھے اُن دونوں باتوں کا خاتمہ نہ ہو سکا۔ بلکہ اس کی وفات کے بعد اس کی جماعت کو ایران میں قبولِ عام کی سند حاصل ہو گئی' کیونکہ یہودیوں کی طرح ایرانی بھی عرب مسلمانوں سے شدید نفرت کا جذبہ دل میں پوشیدہ رکھتے تھے اور جن عقائد کی بن سباء نے تبلیغ کی تھی وہ ان کے لئے قابل قبول تھے' خصوصاً حلول کا عقیدہ جو اُن میں پہلے ہی سے موجود تھا۔

تیسری بحث

حضرت جعفر (شیعوں کے چھٹے امام) نے ۱۴۸ھ میں وفات پائی۔ ان کی وفات کے بعد ان کے متبعین میں دو گروہ پیدا ہو گئے۔

۱) جس نے ان کے چھوٹے بیٹے حضرت موسیٰ کاظم کو ان کا جانشین تسلیم کیا وہ آگے چل کر امامیہ اثنا عشریہ کے نام سے مشہور ہوئے۔

۲) جنہوں نے ان کے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل کو ان کا جانشین تسلیم کیا وہ آگے چل کر اسمٰعیلیہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ ہمیں اِس وقت اس دوسرے گروہ کی مختصر داستان لکھنی مقصود ہے۔

یہ فرقہ اگرچہ شیعیت ہی کی ایک شاخ ہے مگر جن لوگوں نے اس فرقے کی رہنمائی کی انہوں نے اسے ایک تخریبی تحریک بنا دیا اور آگے چل کر یہ تحریک اپنے معتقدات اور اعمال کے لحاظ سے شیعیت سے بھی کوسوں دُور ہو گئی۔

تاریخ اسلام میں اس تحریک کو ملاحدہ' باطنیہ' تعلیمیہ اور قرامطہ کے رسوائے عالم لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ ہم ذیل میں اس کی مختصر داستان قلم بند کرتے ہیں' کیونکہ یہی فرقہ دنیائے اسلام میں غیر اسلامی تصوف کا بانی ہے۔

واضح ہو کہ اس فرقے نے شروع سے عبداللہ بن سباء کے غالی عقائد (عقیدہ الوہیت علی و رجعت و تناسخ ارواح و حلول) ہی اختیار کر لئے تھے۔ پروفیسر براؤن ''ایران کی ادبی تاریخ'' جلد اول' صفحہ ۳۱۱ پر لکھتا ہے:

''جو عقائد غلاۃ شیعہ میں مشترک ہیں وہ حسب ذیل چار عقائد ہیں:
۱) تشبیہ (خدا کا انسانی شکل میں ظہور)
۲) مشیت ایزدی میں تبدیلی (بدأ)
۳) امام کی واپسی (رجعت)
۴) تناسخ (ایک امام کی روح کا دوسرے یعنی جانشین کی شخصیت میں حلول کرنا)''

ظاہر ہے کہ یہ سب عقائد قرآن کے سراسر خلاف ہیں۔ اسی لئے مسٹر اسٹینلی لین پول اپنی تصنیف ''داستانِ قاہرہ'' مطبوعہ لندن ۱۹۰۶ء میں صفحہ ۱۱۳ پر لکھتا ہے:

''اپنی باطنی روح کے اعتبار سے فاطمیین مصر کا مذہب محمڈنزم نہیں ہے''۔

ڈاکٹر اولیری نے بھی اپنی تصنیف ''تاریخ خلفائے بنی فاطمہ مصر'' میں صفحہ ۱۲ پر لکھا ہے:

''اسمٰعیلیہ فرقے میں شروع ہی سے غلاۃ شیعہ کی خصوصیات پیدا ہوگئی تھیں یعنی
(۱) تاویل (۲) تجسیم (۳) حلول (۴) تناسخ روح امام بقالب دیگر''۔

اب ہم براؤن کی تاریخ جلد اوّل سے اس تحریک کی داستان قلم بند کرتے ہیں۔

(۱) مہدی کے عہد حکومت میں المقنع نے خروج کیا۔ ابن خلکان نے اپنی مشہور تالیف وفیات الاعیان میں لکھا ہے کہ المقنع کا اصلی نام عطاء تھا۔ اس نے جادو اور طلسمات میں مہارت حاصل کی اور خدائی کا دعویٰ کر دیا۔ اس نے اپنے پیروؤں سے کہا کہ سب سے پہلے خدا نے آدم میں حلول کیا' یہی وجہ ہے کہ فرشتوں نے اسے سجدہ کیا۔ الغرض خدا اسی طرح تمام انبیاء میں حلول کرتا کرتا ابو مسلم خراسانی کے جسم میں داخل ہوا اور اس کی وفات کے بعد اب خدا نے میرے اندر حلول کیا ہے۔ (۵)

چونکہ یہ شخص نہایت کریہہ المنظر اور کانا تھا' قصیر القامت اور ہکلا تھا اور اپنے بدنما چہرے پر سنہرا نقاب ڈالے رہتا تھا اسی لئے اسے المقنع کہتے ہیں۔ یہ شخص ۱۶۹ھ میں قتل کیا گیا۔

(۲) مامون کے عہد میں بابک خرمی نے خروج کیا۔ یہ شخص بھی الوہیت کا مدعی تھا۔ بقول طبری اس شخص نے بیس سال تک ایران میں شدید ہنگامہ برپا رکھا۔ انجام کار

---

۵) اس کے دعوے سے ایرانی ذہنیت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

افشین نے ۲۲۳ھ میں اسے قتل کیا۔ المقنع اور بابک نے خدائی کا دعویٰ کر کے ہزاروں نہیں لاکھوں مسلمانوں کو گمراہ کیا اور بقول مسعودی (کتاب التنبیہ) بابک نے پانچ لاکھ کے قریب مسلمانوں کو قتل کیا۔ ان دونوں کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے عبداللہ بن میمون القداح کی تخریبی سرگرمیوں کے لئے زمین ہموار کی۔

(۳) ہٹی اور براؤن نے لکھا ہے کہ فرقہ اسمٰعیلیہ کی سیاسی تنظیم اور مذہبی عقائد کی تدوین کا سہرا عبداللہ بن میمون القداح کے سر ہے۔ الفہرست میں مرقوم ہے[۶] کہ یہ شخص اہواز کا باشندہ تھا۔ اس نے پہلے بصرے میں قیام کیا' پھر سلامیہ (شام) کو اپنا مرکز بنایا اور یہاں سے تمام دنیائے اسلام میں اپنے دعاۃ کو اسمٰعیلی مذہب کی تبلیغ کے لئے روانہ کیا۔ اس نے ۲۶۱ھ/۸۷۵ء میں وفات پائی۔

(۴) حمدان قرمط: یہ شخص القداح کا سب سے بڑا حامی تھا۔ اس کا نام حمدان بن اشعث تھا۔ یہ دراصل ایک عراقی کاشتکار تھا۔ چونکہ اس کی ٹانگیں بہت چھوٹی تھیں اس لئے اسے قرمط کہتے تھے۔ اس نے اسمٰعیلی مذہب کو باطنی تحریک میں تبدیل کر دیا۔ اور اسی لئے اسمٰعیلی باطنی فرقہ اس کے نام سے موسوم ہو گیا' یعنی قرامطہ۔ قرامطہ نے الجنابی کی سربراہی میں ایک آزاد ریاست قائم کر لی اور اس کے بیٹے ابو طاہر نے ۹۳۰ھ میں مکّے پر حملہ کر کے حجر اسود اکھیڑ لیا اور اپنے ساتھ لے گئے۔[۷] بقول براؤن انہوں نے سو سال تک سلطنت عباسیہ کے باشندوں کو خوفزدہ رکھا۔[۸]

القداح کے عقائد: اس نے اپنی تحریک کو اسمٰعیلی فرقے کے ساتویں امام اسمٰعیل سے منسوب کیا۔ اس لئے اس تحریک کا نام اسمٰعیلی تحریک ہوا۔ مگر اس تحریک کو مختلف زمانوں میں مختلف ناموں سے یاد کیا گیا ہے۔ مثلاً سبعی' باطنی' تعلیمی' فاطمی' قرمطی اور حشیشی' لیکن مؤرخوں نے اس تحریک کو ملاحدہ کے لقب سے یاد کیا ہے۔

---

۶) براؤن' جلد اول' ص ۳۹۶ و ہٹی' ص ۴۴۳

۷) یہاں قرامطہ کے مظالم کی داستان بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ بطور نمونہ صرف ایک کارنامہ درج کر دیا ہے۔

۸) براؤن' جلد اول' ص ۴۰۱

القداح کے عقائد حسب ذیل ہیں:

ا) اس مذہب میں سات کا عدد بہت مقدس ہے' اس کے بعد بارہ کا عدد۔ مثلاً سبعہ سیارہ اور دوازدہ بروج' ہفتے کے سات دن اور سال کے بارہ مہینے۔

ب) اصولِ ہفت گانہ: خدا' عقل کلی' نفس کلی' انسان' مادہ' زمان' مکان۔

ج) سات صاحب شریعت نبی یا رسول: آدمؑ' نوحؑ' ابراہیمؑ' موسیٰؑ' عیسیٰؑ' آنحضرت ﷺ اور محمد التام (کامل) بن اسمٰعیل بن جعفر۔

د) ہر رسول کے ساتھ جس کا لقب ناطق ہے' ایک معاون بھی ہے جس کا لقب صامت ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ آدم کے ساتھ شیثؑ' نوح کے ساتھ سام' ابراہیم کے ساتھ اسمٰعیل' موسیٰ کے ساتھ ہارونؑ' عیسیٰ کے ساتھ پطرس' آنحضرت ﷺ کے ساتھی علی اور محمد بن اسمٰعیل کے ساتھ القداح۔

۹) القداح نے اپنے عقائد کی تبلیغ کے لئے مبلغین تیار کئے اور ان کا لقب داعی تھا۔ دعاۃ کا طریق کار یہ تھا کہ وہ جس شہر میں جاتے وہاں کوئی پیشہ مثلاً تجارت یا طبابت اختیار کر لیتے۔ سب سے پہلے وہ لوگوں کے دلوں میں اپنے متقی' مقدس اور متورع ہونے کا نقش جماتے تھے' جب لوگ ان کی بزرگی کے قائل ہو جاتے تھے تو وہ اُن کے قلوب میں فلسفیانہ سوالات کے ذریعے شکوک ووساوس اور اضطراب پیدا کرتے تھے۔ مثلاً:

۱) خدا نے یہ دنیا چھ دن میں کیوں پیدا کی جب کہ وہ ایک ساعت میں پیدا کر سکتا تھا؟

۲) صراطِ مستقیم کا حقیقی مفہوم کیا ہے؟

۳) عذابِ دوزخ کی حقیقت کیا ہے؟ دوزخیوں کی کھال کس طرح بدلی جائے گی؟

۴) رمیٔ جمار کی حقیقت کیا ہے؟

۵) دوزخ کے دروازے سات کیوں ہیں؟ جنت کے دروازے آٹھ کیوں ہیں؟

۶) آسمان سات کیوں ہیں؟ سورۂ فاتحہ کی آیات سات کیوں ہیں؟

۷) کراماً کاتبین ہمیں نظر کیوں نہیں آتے؟

۸) حاملین عرش آٹھ کیوں ہیں؟ (قرآن ۶۹:۱۷)

۹) ابلیس کی کیا حقیقت ہے؟
۱۰) یاجوج وماجوج اور ہاروت وماروت سے کیا مراد ہے؟
۱۱) تمام حیوانات میں انسان ہی دو ٹانگوں پر کیوں کھڑے ہو کر چلتا ہے؟
۱۲) ہاتھوں میں دس انگلیاں کیوں ہیں؟
۱۳) چار انگلیوں میں تین تین پورے کیوں ہیں؟ انگوٹھے میں صرف دو کیوں ہیں؟
۱۴) صرف چہرے میں سات مخارج کیوں ہیں؟ آٹھ یا نو کیوں نہیں' جبکہ بقیہ تمام جسم میں صرف دو ہیں؟

یہ سوالات تبلیغ کی ابتداء میں کئے جاتے تھے۔ جب سننے والے والا مضطرب ہو جاتا تھا تو اس کے دماغ میں فلسفیانہ قسم کے شکوک وشبہات پیدا کئے جاتے تھے۔ اور جب وہ مبہوت ہو جاتا تھا تو داعی اس سے کہتا تھا کہ تمہارے علماء کے پاس ان سوالات کا کوئی جواب نہیں ہے' لیکن اگر تم میرا مذہب اختیار کر لو تو میں تمہیں اسلام کی حقیقت سے آگاہ کر دوں گا' اس کی شرط یہ ہے کہ تم اپنی دولت یا کمائی میں سے ہماری تحریک کی مالی امداد کے لئے ایک رقم معین کر دو اور وعدہ کرو کہ جو تعلیم ہم تمہیں دیں گے تم اسے مخفی رکھو گے۔

اگر سامع اس شرط پر راضی ہو گیا تو اسے خفیہ جماعت کے پہلے درجے میں داخل کر لیا جاتا تھا۔ القداح نے ۹ درجے مقرر کئے تھے۔ آخری درجے میں پہنچ کر طالب حق کو اسلام سے بیگانہ کر دیا جاتا تھا۔

مقریزی اور نویری لکھتے ہیں کہ آخری درجے تک پہنچنے کے بعد طالب کے لئے اباحت مطلقہ کا دروازہ کھل جاتا تھا اور عقائد کے لحاظ سے وہ شخص فلسفۂ مشائین کا پیرو بن جاتا تھا۔ (۹)

براؤن لکھتا ہے (۱۰) کہ آخری درجے تک پہنچ کر مرید مذہب اسلام سے بیگانہ ہو جاتا تھا اور فلسفی بن جاتا تھا۔ بقول نویری وہ مانوی یا مجوسی یا فلسفیانہ عقائد اختیار کر

۹) دیکھو تاریخ خلافت بنی فاطمہ مؤلفہ اولیری' ص ۲۸'۲۹
۱۰) دیکھو براؤن' جلد اول' ص ۴۱۵

لیتا تھا' بلکہ اس کا مذہب مختلف عقائد وافکار کا مجموعہ بن جاتا تھا۔

القداح اور قرمط دونوں نے اپنے متبعین کو جنہیں دعاۃ کا منصب دیا' یہ نصیحت کی تھی کہ جس شخص کو تبلیغ کرو پہلے اس کے عقائد سے واقفیت حاصل کرو' پھر اپنے آپ کو اس کا ہم خیال ظاہر کرو تا کہ وہ تم سے بدظن نہ ہو جائے۔ جب وہ تم پر اعتماد کرنے لگے تو اس کے عقائد کو آہستہ آہستہ متزلزل کرنا شروع کرو۔ اس لئے ان دعاۃ نے ہر جگہ اسی حربے کو استعمال کیا اور کامیابی حاصل کی۔ (۱۱)

چوتھی بحث

جس زمانے میں قرامطہ نے اپنی تبلیغی سرگرمیاں شروع کیں مسلمانوں میں تصوف کا آغاز ہو چکا تھا اور مختلف سلسلے قائم ہو چکے تھے۔ قرامطہ نے صوفیوں کے حلقوں میں مقبولیت حاصل کرنے کے لئے اپنے آپ کو صوفی ظاہر کیا۔ یعنی تصوف کے لباس میں صوفیوں کو گمراہ کرنا شروع کیا اور اسلامی تصوف میں غیر اسلامی عقائد کی آمیزش کر کے ایران میں اس غیر اسلامی تصوف کی بنیاد رکھ دی' جو رفتہ رفتہ تمام مسلمانوں میں شائع ہو گیا اور اسلامی تصوف کے ساتھ اس طرح مخلوط ہو گیا کہ اسلامی اور غیر اسلامی تصوف میں امتیاز کرنا عوام کے لئے ناممکن ہو گیا' کیونکہ جاہل عوام ہر زمانے میں اور ہر ملک میں دین اسلام کی حقیقت سے بیگانہ رہے ہیں' یعنی غیر اللہ کو دست گیر' مشکل کشا اور حاجت روا مانتے رہے ہیں اور آج بھی مانتے ہیں۔

ستم بالائے ستم یہ ہوا کہ ایران کے اکثر باشندوں نے اسلام کو صدقِ دل سے قبول نہیں کیا تھا۔ قرامطہ نے جو غیر اسلامی عقائد' جن کی وضاحت قبل ازیں کی جا چکی ہے' تصوف کے لباس میں ایرانیوں کے سامنے پیش کئے' مثلاً حلول' اتحاد' تجسم' تناسخ وغیرہ وہ سب ایسے تھے جو قبل اسلام ایران کے مختلف طبقوں میں مروج تھے' اس لئے ان لوگوں نے ان عقائد کو بخوشی قبول کر لیا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ اس مضمون سے چند اقتباسات ہدیہ قارئین کر دیئے جائیں جو ایک غیر مسلم اے ای کرمسکی (Krymsky) نے تصوف کے ارتقاء

۱۱) دیکھو ڈاکٹر اولیری کی تالیف تاریخ خلافت بنی فاطمہ' ص ۳۰' ۳۱

پر لکھا تھا اور جسے حال ہی میں ''اسلامک کوارٹرلی'' کے مدیر نے مجلّہ مذکور کی جلد ششم برائے سال ۱۹۶۱ء میں درج کیا ہے:

''صوفی جماعت کے افراد اپنے آپ کو سنت کا سچا محافظ کہتے تھے (۱۲)۔ لیکن ایران میں یہ لقب ان لوگوں نے بھی اختیار کر لیا تھا جن کے عقائد اسلام سے اس قدر بعید تھے کہ آنحضرت ﷺ ان کو جہنمی قرار دے دیتے''۔

''یہ بات قابل غور ہے کہ جب ۸۶۴ء میں عبداللہ بن میمون القداح نے اسماعیلی فرقے کی اصلاح کی اور ان کو منظم کیا تو اس جماعت کے پوشیدہ طریق پر تبلیغ کرنے والوں کو یہ نصیحت کی کہ جب وہ مسلمانوں سے ملیں تو اپنے آپ کو صوفی ظاہر کریں تاکہ کسی کو ان پر شبہ کرنے کا موقع نہ مل سکے۔ حقیقت حال یہ ہے کہ ان جدید اسماعیلیوں نے ایران اور دوسرے ممالک میں تصوف کو عوام میں بڑی حد تک مقبول بنا دیا لیکن اس خدمت کے معاوضے میں انہوں نے تصوف میں ایسے غیر اسلامی رجحانات اور عقائد داخل کر دیئے جن کا اظہار چوتھی صدی ہجری سے شروع ہو گیا۔''

(مجلّہ اسلامک کوارٹرلی جلد ۶، شمارہ ۳، ۴ بابت جولائی و اکتوبر ۱۹۶۱ء، ص ۱۰۵)

یہی مصنف اسی رسالے کے ص ۸۷ کے حاشیے میں لکھتا ہے:

اسماعیلی دعاۃ نے، جو پندرھویں صدی عیسوی کے آغاز میں ہندوستان آئے، صوفیوں کا طریقہ اختیار کیا اور ہندوؤں سے کہا کہ حضرت علیؓ وشنو کے دسویں اوتار تھے۔ چنانچہ پیر صدرالدین نے اسی حکمت عملی سے کام لے کر بہت سے ہندوؤں کو اپنے مذہب کا پیرو بنایا۔''

بخوفِ طوالت نہ تو میں قرامطہ کی تاریخ اس کتاب میں درج کر سکتا ہوں اور نہ اس فتنہ و فساد کی تفصیل بیان کر سکتا ہوں جو اس فرقے کے مبلغین نے دنیائے اسلام میں پھیلایا۔ میرا مطلب اس داستان سے صرف اس قدر ہے کہ میں ناظرین کو یہ بتا دوں کہ مسلمانوں میں غیر اسلامی تصوف، جسے اسلام سے کوئی علاقہ نہیں ہے، کس طرح شائع ہوا اور میں سمجھتا ہوں کہ جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ ایضاحِ مقصد کے لئے بالکل

---

۱۲) دیکھو رسالہ تشیر یہ

کافی ہے۔اس فرقے کے افراد نے تصوف کے پردے میں اپنے عقائد کی جس طرح تبلیغ کی اور جس حکمت عملی سے کام لے کر تصوف کو سراسر غیر اسلامی بنا دیا' اس کی مثالیں بیکتاشی سلسلے اور نوربخشی سلسلے کے صوفیوں کے عقائد سے بخوبی مل سکتی ہیں۔

بیکتاشی فرقہ

صوفیوں کے اس فرقے کی تاریخ ڈاکٹر جے کے برج (Birge) نے اپنی کتاب ''درویشوں کا بیکتاشی سلسلہ'' میں مفصل طور پر لکھی ہے۔ بخوفِ طوالت صرف چند اقتباسات پر اکتفا کرتا ہوں۔

''اس سلسلے کا بانی حاجی بیکتاش ولی تھا جو ۶۸۰ھ/۱۲۸۱ء میں خراسان (اسماعیلی دعاۃ کے مرکز) سے اناطولیا میں آیا تھا۔اس نے ۷۳۸ھ/۱۳۳۷ء میں وفات پائی (ص ۳۵)۔ترکوں میں اس کے سلسلے کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔

اس سلسلے کے عقائد حسب ذیل ہیں:

(۱) اللہ حقیقت واحدہ ہے۔

(۲) محمد ﷺ اور علیؓ دونوں اللہ کے مظاہر خاص ہیں۔

(۳) اللہ' محمد ﷺ اور علیؓ تینوں میں عینیت کا علاقہ ہے۔

(۴) محمد ﷺ اور علیؓ درحقیقت ایک ہیں یا ایک شخص کے دو نام ہیں۔

(ص ۱۳۲و۱۳۳)

ان چار عقیدوں سے اس بات کا اندازہ بخوبی ہوسکتا ہے کہ اس سلسلے کے صوفیوں کو اسلام سے کتنا تعلق تھا!

حضرت علیؓ کے بارے میں اس سلسلے کے صوفیوں کے جو عقائد ہیں اس کا اندازہ ''طبۃ البیان'' سے ہوسکتا ہے جو اس سلسلے میں بہت معتبر کتاب ہے۔اس میں لکھا ہے کہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں:

۱) میرے پاس مفاتیح الغیب ہیں جن کو محمد ﷺ کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا' نیز عزرائیل (ملک الموت) میرا تابع فرمان ہے۔

۲) میں لوحِ محفوظ ہوں' میں حجۃ اللہ ہوں' میں حجۃ الانبیاء ہوں۔

۳) میں قسیم النار والجنت ہوں' میں اللہ کا دل ہوں' میں نوح اوّل ہوں۔

۴) میں ذوالقرنین ہوں' میں عالم ماکان ومایکون ہوں' میں منشئ السحاب ہوں' میں مطرالانہار ہوں' میں قیوم السماء ہوں۔ (ص ۱۴۲و۱۴۳)

یہ کتاب ۱۹۳۷ء میں لندن سے شائع ہوئی ہے۔ مزید معلومات کے لئے ناظرین بطور خود اس کتاب کا مطالعہ کرلیں۔

نوربخشی سلسلہ

اس سلسلے کا تذکرہ پروفیسر محب الحسن نے اپنی تالیف ''کشمیر زیرنگیں سلاطین'' (صفحات ۲۸۳ تا ۲۸۷) میں کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

''نوربخشیہ فرقے کا بانی سید محمد عبداللہ تھا جو ۷۹۵ھ/۱۳۹۳ء میں قائین (کوہستان) میں پیدا ہوا تھا۔ جوانی میں خواجہ اسحاق ختلانی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ خواجہ صاحب امیر کبیر سیّد علی ہمدانی کے خلیفہ تھے۔ خواجہ اسحاق نے سیّد محمد کو نوربخش کا لقب عطا کیا۔ نوربخش نے دعویٰ کیا کہ مجھے امام جعفر صادقؒ سے روحانی فیض حاصل ہوا ہے۔ اس کی تعلیمات میں شیعہ عقائد کا رنگ نمایاں ہے۔ اس سلسلے کے افراد خلفائے ثلاثہؓ کی شان میں گستاخی کرتے تھے۔ لیکن نوربخش نے امام مہدی المنتظر ہونے کا دعویٰ بھی کیا تھا' اس لئے شیعہ بھی اسے ناپسند کرتے تھے۔

کشمیر میں اس سلسلے کو شمس الدین نے شائع کیا۔ یہ شخص اپنے وطن شولغان (ایران) سے چل کر پہلے ملتان آیا' پھر ۱۵۰۲ء میں کشمیر پہنچا۔ کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد بلتستان میں نوربخشی عقائد کی تبلیغ کی' پھر کشمیر واپس آیا اور کشمیر کے چک حکمران خاندان کو شیعہ مسلک کا پیرو بنایا۔''

ان تصریحات سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ قرامطہ نے تصوف کے لباس میں اپنے مسلک کی تبلیغ کی اور تصوف میں ایسے عقائد داخل کر دیئے جو قرآنی تعلیمات کے خلاف ہیں۔

جیسا کہ ہم قبل ازیں لکھ چکے ہیں' قرامطہ نے ہمیشہ اس اصول پر عمل کیا کہ ''جیسا دیس ویسا بھیس''۔ چنانچہ جب ان کے دعاۃ ہندوستان میں آئے تو انہوں نے ہندو صوفیوں اور جوگیوں اور پیروں کے طور طریقے اختیار کئے اور ہندوؤں میں حضرت علیؓ

کو وشنو کے دسویں اوتار کے روپ میں پیش کیا۔ عوام میں ہر دلعزیزی حاصل کرنے کے لئے انہوں نے اپنے ناموں سے پہلے ''پیر'' کے لقب کا اضافہ کیا۔

پیر صدرالدین نے گجرات میں اور پیر شمس الدین نے ملتان میں تصوف کے پردے میں اپنے عقائد کی تبلیغ کی۔ اس بات کی تصدیق ڈاکٹر جے این ہالسٹر کی تالیف ''شیعان ہند'' سے بھی بخوبی ہوسکتی ہے۔ مصنف مذکور لکھتا ہے:

''اگرچہ صوفیوں اور شیعوں میں بنیادی اختلاف پایا جاتا ہے مگر اسماعیلیہ فرقے نے اس اختلاف کو بہت کم کر دیا۔ چنانچہ اسمٰعیلی پیروں نے صوفیہ کے طریقے اختیار کر لئے۔'' (ص ۲۸)

''فتح شاہ کے عہد حکومت میں ۱۴۹۶ء میں شمس الدین اسمٰعیلی داعی کشمیر میں آیا اور اس کے ساتھ چک قبیلے کے افراد بھی واپس آ گئے جن کو فتنہ انگیزی کی پاداش میں ملک بدر کر دیا گیا تھا۔ یہ لوگ ابتداء میں آفتاب پرست تھے اور روشنائیہ فرقے سے تعلق رکھتے تھے۔ بادشاہ نے شمس الدین کو تبلیغ کی اجازت دی اور اس نے چک قبیلے کے افراد کو نوربخشی سلسلے میں داخل کر لیا۔'' (ص ۱۴۶)

''نوربخشی سلسلے کے عقائد احوط نامی کتاب میں مندرج ہیں جو کفر اور الحاد کا مرکب ہیں۔ نہ وہ عقائد شیعوں کے ہیں نہ سنیوں کے۔ یہ لوگ خلفائے ثلاثہ پر طعن کرتے ہیں' اس لئے سنّی نہیں ہو سکتے اور نوربخش کو مہدی موعود یقین کرتے ہیں' اس لئے شیعہ نہیں ہو سکتے۔'' (ص ۱۴۷)

قرامطہ کا یہی طریق کار تھا کہ جس طرح ہو سکے خصوصاً تصوف کے پردے میں مسلمانوں کے اندر الحاد اور بے دینی کی اشاعت کی جائے' اور اس مقصد میں وہ کامیاب ہو گئے' یعنی انہوں نے تصوف کے پردے میں مسلمانوں کے دلوں میں غیر اسلامی عقائد جاگزیں کر دیئے۔ مؤلف مذکور اسی کتاب کے صفحہ ۳۳۳ پر لکھتا ہے:

''اسمٰعیلی سیّدون کا ایک قافلہ قاہرہ سے چل کر سبزوار آیا۔ پیر شمس الدین (۱۳) سبزواری یہیں سے ملتان آیا تھا اور اس نے صوفیوں کے لباس میں اسمٰعیلیت

---

۱۳) یہ دوسرا پیر شمس الدین ہے۔ پہلا پیر شمس الدین نوربخشی فرقے سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کا مزار ملتان میں ہے۔

کی تبلیغ کی۔ بعض لوگوں نے شمس الدین سبزواری کو غلطی سے شمس تبریز سمجھ لیا ہے جو جلال الدین رومی کا مرشد تھا۔ پیر شمس الدین (۱۴) جو اسمٰعیلیہ نزاریہ فرقے کا داعی تھا' ۱۲۹۶ء میں کشمیر آیا اور تقیہّ کر کے اپنے آپ کو یہاں کے باشندوں کے رنگ میں رنگین کر لیا۔ چنانچہ ایک دن جبکہ ہندو دسہرے کی خوشی میں گربا رقص کر رہے تھے' پیر صاحب بھی اس رقص میں شریک ہو گئے اور ۲۸ ''گربا'' گیت تصنیف فرمائے۔ رفتہ رفتہ ہندو اُن سے مانوس ہو گئے اور انہوں نے بہت سے ہندوؤں کو امام الزماں حضرت قاسم شاہ نزاری کا پیرو بنا دیا۔'' (ص ۳۵۴)

''کشمیر سے پیر شمس الدین اُچ میں آیا جو ملتان سے اسی میل دُور ہے۔ روایت ہے کہ یہاں اس نے ایک امیر آدمی کے مردہ بیٹے کو زندہ کر دیا جس کی وجہ سے عوام میں اسے غیر معمولی مقبولیت حاصل ہو گئی۔ چنانچہ اس نے پیری مریدی کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اور اس کے مرید شمسی کہلاتے ہیں۔ اس نے ۷۵۷ھ/ ۱۳۵۷ء میں وفات پائی۔'' (ص ۳۵۵)

''پیر صدرالدین اسمٰعیلی نزاری فرقے کا داعی بھی پیروں کے لباس میں ہندوستان آیا تھا۔ اس نے ۱۴۳۰ء میں تبلیغ کا آغاز کیا اور قرامطہ کے اصول تبلیغ کے مطابق اس نے اپنا ہندوانی نام سہدیو رکھا اور پنجاب کے لوہانہ راجپوتوں کو اپنے مذہب میں داخل کیا۔ اس نے کہا کہ وشنو کا دسواں اوتار حضرت علیؓ کی صورت میں ظاہر ہو چکا ہے' اس کے پیرو صوفیوں کی زبان میں محمد ﷺ اور علیؓ کی تعریف میں بھجن گایا کرتے تھے۔ اس نے اپنے مریدوں کیلئے دشم اوتار نامی کتاب لکھی' جو آج بھی اسمٰعیلی نزاری خوجوں کی نہایت مقدس مذہبی کتاب ہے۔ (۱۵) پیر صدرالدین نے اُچ میں وفات پائی۔ اس کے مزار پر ہر سال عرس منعقد ہوتا ہے جو ترنڈا گورگیج میں واقع ہے۔ یہ قصبہ اُچ سے ۱۵ میل کے فاصلے پر ریاست بہاول پور میں واقع ہے۔'' (ص ۳۵۶'۳۵۷)

ان اقتباسات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ قرامطہ نے صوفیوں اور پیروں کے

---

۱۴) یہ تیسرا پیر شمس الدین ہے' جس کا مزار اُچ میں ہے۔

۱۵) جیسے مسلمانوں کی نگاہ میں قرآن مجید!

لباس میں غیر اسلامی عقائد کی تبلیغ کی اور اس طرح غیر اسلامی تصوف عالم وجود میں آ گیا' جس میں تمام غیر اسلامی عقائد مثلاً تثلیث' تجسم' کفارہ' حلول' الوہیت علیؓ ' رجعت' بدا' اتحاد' تناسخ ارواح اور قدامت مادہ وغیرہ داخل ہیں۔ عوام بے چارے یہ سمجھے کہ یہ یہی اصلی تصوف ہے جو قرامطہ صوفیوں کے لباس میں پیش کر رہے ہیں۔ انا للّٰہ!

اب ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ ایک طرف قرامطہ نے صوفیوں کے لباس میں مسلمانوں کو غیر اسلامی تصوف سے مانوس کر دیا دوسری طرف مسلمان صوفیوں کی تصانیف میں نہایت چابک دستی کے ساتھ اپنے عقائد داخل کر دیئے۔ عربی میں اس کو تدسیس کہتے ہیں۔ چنانچہ امام عبدالوہاب شعرانی نے الیواقیت والجواہر (صفحہ ۷) میں لکھا ہے کہ:

> ''باطنیہ' ملاحدہ اور زنادقہ نے سب سے پہلے امام احمد بن حنبلؒ پھر امام غزالی کی تصانیف میں اپنی طرف سے تدسیس کی۔ نیز اس فرقۂ باطنیہ نے ایک کتاب جس میں اپنے عقائد کی تبلیغ کی تھی' میری زندگی میں میری طرف منسوب کر دی اور میری انتہائی کوشش کے باوجود یہ کتاب تین سال تک متداول رہی۔''

اس اقتباس سے ناظرین اس فرقہ کی دلیری' عیاری اور معاندانہ سرگرمیوں کا بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں۔ اگر استقصاء کیا جائے تو اس موضوع پر ایک ضخیم کتاب لکھی جا سکتی ہے' مگر میں چند مثالوں پر اکتفا کرتا ہوں:

۱) اس فرقے نے بہت سی روایات وضع کر کے مسلمانوں میں شائع کر دیں۔ اس فرقے کے صوفیوں نے اپنی مجلسوں میں ان وضعی روایات کو مسلسل بیان کیا اور سامعین نے ان مقدس حضرات پر اعتماد کر کے انہیں قبول کر لیا۔ مثلاً: ''بیکتاشی سلسلے میں یہ روایت بہت مقبول ہے کہ جب جنگ احد میں آنحضرت ﷺ زخمی ہو گئے اور جسم سے خون بہنے لگا تو جبریل نے آ کر آپؐ سے کہا کہ ''نَادِ عَلِیًّا'' والی دعا پڑھو' یعنی علیؓ کو پکارو۔ جب آپ نے یہ دعا پڑھی تو علیؓ فوراً آپ کی مدد کیلئے آئے اور کفار کو قتل کر کے آپ کو اور تمام مسلمانوں کو قتل ہونے سے بچا لیا۔''

(دیکھو درویشوں کا بیکتاشی سلسلہ' مصنفہ ڈاکٹر برج' ص ۱۳۸' مطبوعہ ہارٹ فرڈ' یو ایس اے ۱۹۳۷ء)

ارباب علم جانتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے جنگ احد میں اس قسم کی کوئی دعا نہیں پڑھی۔ یہ دعا تاریخ یا سیرت یا مغازی کی کسی مستند کتاب میں مرقوم نہیں ہے۔ علاوہ ازیں جب جنگ اُحد میں حضرت علیؓ از اول تا آخر حضور انور ﷺ کے ساتھ رہے تو انہیں پکارنے کی ضرورت کیسے پیش آسکتی تھی؟

یہی روایت اہل سنت کی کتابوں میں راہ پا گئی' کیونکہ عقیدت میں غلو انسان کو تحقیق اور درایت دونوں سے بیگانہ کر دیتا ہے۔ چنانچہ سیّد مظفر علی شاہ صاحب چشتی اپنی تالیف موسومہ جواہر غیبی' مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ ۱۸۸۷ء میں صفحہ ۶۴ پر لکھتے ہیں:

''درغزوۂ تبوک چوں لشکر اسلام شکستہ شد حضرت سیّد عالم صلعم درمیان کشتگان پنہاں شدند جبریل ایں کلمات آوردند:

ناد علیا مظهر العجائب تجده عونا لک فی النوائب کل هم وغم سینجلی بنبوتک یا محمد وبولایتک یا علی یا علی یا علی''(۱۶)

اللہ مصنف مرحوم کی علمی اور تاریخی لغزشوں کو معاف فرمائے! انہوں نے اس روایت کو زیب کتاب بناتے وقت یہ بھی نہ سوچا کہ غزوۂ تبوک میں تو سرے سے قتال ہی نہیں ہوا' اور اسی لئے مؤرخین اسے غزوہ نہیں کہتے۔ دراصل یہ وہی روایت ہے جو بیکتاشی سلسلے کے صوفیوں میں متداول ہے اور انہی کی کتابوں سے سیّد صاحب نے اپنی کتاب میں نقل کر لی ہے۔ خدا معلوم جنگ اُحد کے بجائے انہوں نے ''غزوۂ تبوک'' کہاں سے نقل کر لیا اور کیسے لکھ دیا؟ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے سیرۃ النبی ﷺ یا تاریخ اسلام کا قطعاً مطالعہ نہیں کیا تھا۔

مجھے اس روایت کو نقل کر کے یہ دکھانا مقصود ہے کہ قرامطہ نے جو نظام عقائد مدون کیا تھا وہ قرآن کی ضد ہے۔ چنانچہ اس روایت سے ان کا مقصد قرآن کی اس آیت کی تردید تھا۔

---

۱۶) (اے محمدؐ) علی کو پکار جو عجائبات کا ظاہر کرنے والا ہے تو اسے مصیبتوں میں اپنا معین پائے گا۔ تمام پریشانیاں اور غم تیری نبوت اور علی کی ولایت کے وسیلے سے عنقریب دور ہو جائیں گے۔ (اس دعا کا پڑھنے والا اگر علیؓ کو محمد ﷺ سے افضل سمجھ لے تو اس کا کیا قصور ہے۔)

﴿وَاِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗ اِلَّا ھُوَ﴾ (یونس : ۱۰۷)
''اور اگر اللہ تجھے کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اس مصیبت کو دُور کرنے والا نہیں ہے۔''

قرآن کی رو سے اللہ کے علاوہ کوئی شخص دست گیر یا مشکل کشا یا حاجت روا یا کارساز نہیں ہے۔ چونکہ قرامطہ براہِ راست مسلمانوں کو شرک کی تعلیم نہیں دے سکتے تھے اس لئے انہوں نے صوفیوں کا روپ دھارا اور اپنے ظاہری تقدس، وضع قطع، لباس، گفتگو اور طرزِ عمل سے مسلمانوں کو دھوکا دیا اور یہ مشرکانہ تعلیم بآسانی ان کی محبوب شخصیت کے نام کے پردے میں، ان کے دماغوں میں جاگزیں کر دی۔ اور داد طلب امر یہ ہے کہ یہ کام ایسی عمدگی سے انجام دیا کہ عوام دھوکہ کھا گئے اور مرورِ ایام سے یہ روایات مسلمان صوفیوں کے صوفیانہ لٹریچر کا جزو لاینفک بن گئیں اور اب ان روایات کو صوفیانہ لٹریچر سے خارج کرنا ایسا ہی مشکل ہے جیسا گوشت کو ناخن سے جدا کرنا۔

اسلامی تصوف کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں صوفی کو سب سے پہلے یہ تلقین کی جاتی ہے کہ:

(ا) اللہ کے سوا کسی شخص میں خواہ وہ نبی ہو یا رسول، غوث ہو یا قطب، کوئی قدرت نہیں ہے۔

(ب) غیر اللہ سے استمداد درکنار، اس کی طرف متوجہ ہونا بھی سالک کے لئے مضر ہے۔ ہر وقت اللہ کی طرف متوجہ رہنا چاہئے۔ اسی کو تبتل کہتے ہیں۔

(ج) مَاشَاءَ اللّٰہُ لَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ جب تک اللہ قوت عطا نہ کرے کسی شخص میں فعل کی کوئی قوت پیدا نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ سرآمد موحدین رئیس المتقین حضرت محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ اپنی تصنیف فتوح الغیب میں مقالۂ سوم میں فرماتے ہیں:

لَافَاعِلَ فِی الْحَقِیْقَۃِ اِلَّا اللّٰہُ

یعنی درحقیقت اللہ تعالیٰ کے سوا اس کائنات میں کوئی فاعل نہیں ہے۔

سارا قرآن از اوّل تا آخر اس حکم سے معمور ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو مت پکارو۔ صرف

دو تین آیتیں درج کرتا ہوں۔

﴿وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ﴾ (یونس : ۱۰۶)

''اور اللہ کو چھوڑ کر کسی کو مت پکار، کیونکہ من دون اللہ جو بھی ہے (خواہ رسول ہو یا ولی) وہ نہ تجھے نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان''۔

﴿وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ (القصص : ۸۸)

''اور اللہ کے ساتھ کسی دوسرے الٰہ کو مت پکار! (کیونکہ) اللہ کے سوا (اس کائنات میں) دوسرا الٰہ (نافع یا ضار) موجود ہی نہیں ہے''۔

﴿فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ﴾ (الشعراء : ۲۱۳)

''پس اللہ کے ساتھ کسی دوسرے الٰہ کو مت پکار۔ اگر ایسا کرے گا تو بلاشبہ تو عذاب پانے والوں میں سے ہو جائے گا''۔

قرامطہ کا مقصد مسلمانوں کو توحید سے منحرف کر کے مشرکین کی صف میں داخل کرنا تھا۔ اسی لئے ان کے روحانی اور دینی پیشوا عبداللہ بن سباء نے حضرت علیؓ کو خدا بنایا۔ اور اگرچہ حضرت علیؓ نے اسے قتل کرا دیا مگر وہ مرتے مرتے شرک کا بیج اسلام کی زمین میں بو گیا۔ قرامطہ اسی بیج کا درخت تھے جس کے اثمارِ تلخ سے ہم چودھویں صدی میں ''مستفید'' ہو رہے ہیں۔

اسلام کی امتیازی صفت یہ تھی کہ یہ دین انسان پرستی کی لعنت سے پاک تھا۔ عبداللہ بن سباء اور اس کے جانشینوں القداح اور حمدون قرمط نے انتہائی چابک دستی کے ساتھ اسلام کو اسی امتیازی صفت سے محروم کر دیا۔ ہندوؤں کے یہاں رام اور کرشن خدا کے اوتار ہیں، قرامطہ کے یہاں اسماعیل اور علیؓ خدا کے اوتار ہیں۔ وہ بوقت مصیبت رام کو پکارتے ہیں اور یہ بوقت مصیبت علیؓ کو پکارتے ہیں۔ خدا وہاں بھی معطل ہے، یہاں بھی۔ انہی قرامطہ کی تقلید میں اکثر مسلمان حضرت علیؓ کو مشکل کشا سمجھتے ہیں اور ہر مشکل کے وقت خدا کے بجائے انہیں پکارتے ہیں اور جو مسلمان انہیں اس فعل سے منع کرتا ہے اسے ''وہابی'' کہتے ہیں۔

قرامطہ نے صوفی بن کر مسلمانوں کو جس حد تک گمراہ کیا، عمل صالح اور جدوجہد

سے بیگانہ بنایا' اس کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ انہوں نے ''نَادِ عَلِیًّا'' سے دنیا جہان کی تاثیر منسوب کردی۔ میں اپنے دل پر جبر کر کے' بلکہ پتھر کی سل رکھ کر'' جواہر غیبی'' سے ان کلمات کے خواص نقل کرتا ہوں:

''خواص ایں کلمات بسیار است

۱) اگر مسحور ہفت بار بر آب چاہ بخواند واز اں غسل کند' سحر باطل شود۔

۲) اگر اوّل ساعت جمعہ چہل وہشت بار بخواند باہر کہ سخن راند' محبّ او شود۔

۳) اگر از دشمن خوف باشد ہر روز ہفتاد بار بخواند دشمن مقہور شود۔

۴) برائے اخلاصِ محبوس ہر روز شصت بار بخواند۔

۵) برائے حصول دولت ہر بامداد صد بار بخواند

۶) برائے رویت آنحضرت صلعم ہر شب سہ ہزار بار بخواند۔

۷) برائے کشف کنوز واسرارِ غیب چہل روز' ہر روز وشصت وہفت بار خواند۔

۸) برائے تحصیل علوم ہر روز ہفتاد بار خواند۔

۹) برائے بغض وعداوت میان دو شخص بست بار بخواند۔

۱۰) برائے تحصیل مرادات ہر روز بست وچہار بار بخواند'' (ص ۶۴۱ و ۶۴۲)

بخوفِ طوالت صرف انہی خواص پر اکتفا کرتا ہوں۔ کتاب میں اسی قدر خواص اور بھی مرقوم ہیں۔ ان خواص پر تنقید کی بجائے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اسی قسم کے تصوف نے مسلمانوں کو قوّتِ عمل سے محروم کر دیا۔ یہ سوال خارج از بحث ہے کہ ان کلمات میں یہ تاثیر کہاں سے ثابت ہے' کیونکہ اس قسم کے اسرار ورموز فہم انسانی سے بالاتر ہیں۔

ایک بات اور عرض کروں کہ اس روایت کے واضع نے کمال دانائی سے حضرت علیؓ کا مرتبہ سرکار دو عالم ﷺ سے بڑھا دیا اور واضع کا اصلی مقصد یہی تھا کہ مرکز توجہ حضور انور ﷺ کی جانب سے ہٹ کر حضرت علیؓ کی طرف منتقل ہو جائے' نہ اللہ سے تعلق باقی رہے نہ رسول اللہ سے۔

یہ ایک روایت ہے ان صدہا روایات لایعنی میں سے جنہوں نے مسلمانوں کے عقائد میں شرک کی آمیزش کر دی اور قرامطہ نے یہ کارنامہ تصوف کا لبادہ اوڑھ کر انجام

دیا۔عوام جب ان کی مجلسوں میں جاتے تھے تو یہ لوگ پہلے ان کو اپنے ظاہری تقدس سے مسحور کرتے تھے' پھر ان کے عقائد کو غیر اسلامی تصوف کے سانچے میں ڈھال دیتے تھے۔

نظر اُن کی رہی مجلس میں بس حشو و زوائد پر
گرائیں چپکے چپکے بجلیاں دینی عقائد پر (۱۷)

اگر تصوف اسی بات کا نام ہے کہ مسلمان خدا پرستی کے بجائے شخصیت پرستی میں مبتلا ہو جائے تو ایسے تصوف سے ہر سچا مسلمان ہزار بار اللہ کی پناہ طلب کرے گا۔

قرامطہ نے فصوص الحکم' فتوحات مکیہ' مثنوی مولانا روم' احیاء العلوم اور دوسری مشہور کتابوں میں اپنی طرف سے عبارتیں اور اشعار داخل کر دیئے' بلکہ بہت سی کتابیں خود لکھ کر بعض بزرگوں کے نام سے منسوب کر دیں۔ مثلاً ایک دیوان حضرت علیؓ سے منسوب کر دیا۔ بہت سی رباعیات مختلف صوفیوں سے منسوب کر دیں' مثلاً یہ مشہور رباعی حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ سے منسوب کر دی ع

شاہ است حسینؓ بادشاہ ہست حسینؓ
دین است حسینؓ دیں پناہ ہست حسینؓ
سر داد نداد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الٰہ ہست حسینؓ

قرامطہ نے بہت سی غزلیں مولانا روم کے دیوان میں شامل کر دیں جس کا نام دیوان شمس تبریز ہے۔ایک غزل کے چند اشعار ذیل میں درج کرتا ہوں:

شاہے کہ ولی بود و وصی بود علی بود — سلطانِ سخا و کرم و جود علی بود
ہم اول و ہم آخر و ہم ظاہر و باطن — ہم موعد و ہم وعدہ و موعود علی بود
گویند ملک ساجد و مسجود بُد آدم — از من بشنو ساجد و مسجود علی بود

---

۱۷) اکبرالہ آبادی کا شعر ہے:
نظر ان کی رہی کالج میں بس علمی فوائد پر — گرائیں چپکے چپکے بجلیاں دینی عقائد پر
میں نے اپنے مطلب کو واضح کرنے کے لئے اس میں تصرف کر دیا ہے۔

ہم آدم و ہم شیث و ہم ایوب و ہم ادریس ہم یوسف و ہم یونس و ہم ہود علی بود
جبریل کہ آمد ز بر خالق بیچوں درپیش محمدؐ شد و مقصود علی بود
ایں کفر نباشد سخن کفر نہ این است تا ہست علی باشد و تا بود علی بود

مرشد رومیؒ ہرگز یہ غزل نہیں لکھ سکتے تھے' کیونکہ دوسرے شعر کا پہلا مصرع فحوائے نص قرآنی ﴿ھُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاھِرُ وَالْبَاطِنُ﴾ اللہ تعالیٰ کی صفات پر شاہد ہے اور کوئی مسلمان اس نص کو غیر اللہ کی ذات پر منطبق کرنے کی جسارت نہیں کر سکتا۔ یہ کام وہی شخص کر سکتا ہے جو حضرت علیؓ کو خدا یا خدا کا اوتار سمجھتا ہے۔ اور عبداللہ بن سباء کی اور اس کے متبعین القداح اور قرمط کی تعلیم کا سنگ بنیاد ہی الوہیتِ علیؓ کا عقیدہ ہے' لہٰذا یہ غزل انہی کے پیرو لکھ سکتے ہیں۔ چند اشعار اور بھی درج کرتا ہوں ع

اوّل و آخر توئی ظاہر و باطن توئی مفخر عالم توئی شاہ سلام علیک
با حیدر خود حیدرم بیروں ز حیدر کافرم حق را بحق من عرف از شاہ مرداں یافتم
اے رہنمائے مؤمناں' اللہ مولا نا علیؓ اے عیب پوش و غیب داں' اللہ مولا نا علیؓ
قاضی و شیخ و محتسب دارد بدل بغض علیؓ ہر سہ شد ند از دیں بری اللہ مولا نا علیؓ

مرشد رومیؒ یہ اشعار ہرگز نہیں لکھ سکتے تھے' کیونکہ عیب پوش اور غیب داں' یہ اللہ کی صفات ہیں نہ کہ حضرت علیؓ کی۔

دیوان شمس تبریز پر جلال ہمائی نے جو مقدمہ لکھا ہے اس میں ان اشعار کو الحاقی قرار دیا ہے (دیکھو مقدمہ صفحہ ۶۷' دیوان شمس تبریز' مطبوعہ طہران ۱۳۳۵ شمسی)

خواجہ اجمیریؒ یا مرشد رومیؒ کی سرکارِ دو عالم ﷺ کے سامنے کیا حقیقت ہے! قرامطہ اور ان کے ہم خیالوں نے تو اس قدر جسارت کی کہ اپنے مزعومات باطلہ احادیثِ نبویؐ کے لباس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کر دیئے۔ منجملہ ان کے یہ حدیث ہے جو ترمذی میں بھی موجود ہے:

((اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ — یا — اَنَا دَارُ الْحِکْمَۃِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا))

شیخ الاسلام آیۃ من آیات اللہ مجاہد اعظم حضرت سیدی و شیخی و مولوی سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ العزیز مکتوب ۷۵ میں صفحہ ۱۷۹ و ۱۸۰ پر تحریر فرماتے ہیں:

''یہ روایت نہ تو صحیحین میں ہے اور نہ روایت کا ذکر کرنے والے اس کی تصحیح فرماتے ہیں''۔

''ترمذی نے بھی روایت کرنے کے بعد کلام کیا ہے کہ بعض علماء نے یہ حدیث شریک تابعی سے روایت کی ہے' مگر علمائے حدیث اس کو ثقات میں سے نہیں پہچانتے۔ سوائے شریک کے' علامہ ابن جوزی نے موضوعات میں اس کے جملہ طرق پر یقین کے ساتھ باطل ہونے کا حکم دیا ہے۔ ایک جماعت محدثین کی اس کے موضوع ہونے کی قائل ہے۔ امام الجرح والتعدیل یحییٰ بن معین صاف فرماتے ہیں کہ اس روایت کی سرے سے کوئی اصل ہی نہیں ہے۔ طاہر پٹنی بھی اس کی صحت کا انکار کیا ہے..... امام العصر (مولانا انور شاہ صاحب بھی روایت کی صحت کو تسلیم نہیں فرماتے'' (حاشیہ از مولٰنا نجم الدین صاحب اصلاحی' مرتب مکتوبات شیخ الاسلام) (ماخوذ از مکتوبات شیخ الاسلام' حصہ اول' اردو بک سٹال لاہور)

صوفیہ کے اشعار میں تدسیس اور الحاق کی وبا اس قدر عام ہو چکی تھی کہ جب مولانا جامیؒ بغداد آئے تو ان دنوں وہاں روافض کا ہجوم تھا۔ انہوں نے مولانا کی کتاب ''سلسلۃ الذہب'' پر چند اعتراضات کئے تھے۔ ایک رافضی نے حضرت علیؓ کی شان میں چند مبالغہ آمیز اشعار لکھ کر مولانا سے منسوب کر دیئے۔

ایک دن جامع مسجد بغداد میں مجلس مناظرہ قائم ہوئی جس کا مقصد یہ تھا کہ روافض اپنے اعتراضات پیش کریں گے' مگر پہلے ان اشعار پر اعتراض ہوا جو ایک رافضی نے مولانا سے منسوب کر دیئے تھے۔ سنّی علماء نے ان اشعار پر اعتراض کیا۔

اس داستان کی تفصیل کے لئے دیکھو حیات جامیؒ مؤلفہ ڈاکٹر علی اصغر حکمت' مطبوعہ طہران' صفحہ ۸۳۔

مجھے اس واقعہ سے صرف یہ دکھانا مقصود تھا کہ اسمٰعیلیہ قرامطہ اور روافض کا یہ محبوب مشغلہ تھا کہ وہ صوفی شعراء کے کلام میں حضرت علیؓ کی شان میں ایسے مبالغہ آمیز اشعار جن سے الوہیت علی پر استدلال ہو سکے اپنی طرف سے شامل کر دیا کرتے تھے۔

اگر یہ سوال ہو کہ انہیں اس کی جرأت کیسے ہوتی تھی' تو اس کا جواب یہ ہے کہ تمام

صوفی سلسلے اور تمام صوفی افراد بلا استثناء واحد حضرت علیؓ کو نہایت مکرم، محترم اور لائق توقیر سمجھتے ہیں۔ اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ سلاسل اربعہ میں سے تین سلسلے حضرت علیؓ پر منتہی ہوتے ہیں۔ لہٰذا صوفی شعراء نے جہاں خلفائے ثلاثہؓ کی منقبت میں زورِ قلم صرف کیا ہے وہاں حضرت علیؓ کی منقبت میں بھی اپنی عقیدت کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس لئے روافض اور قرامطہ کو مبالغہ آمیز اشعار شامل کلام کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آ سکتی تھی۔ فرض کیجئے کہ مولانا جامی نے اکیس اشعار کی ایک نظم حضرت علیؓ کی شان میں لکھی تو اگر کوئی شخص دو یا تین ایسے شعر جن میں حضرت علیؓ کو خدا بنا دیا گیا ہو اس نظم میں چپکے سے شامل کر دے (اور اسی کو تدسیس کہتے ہیں) تو کیا دشواری لاحق ہو سکتی ہے؟

قرامطہ نے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے جہاں اور ہتھکنڈے استعمال کئے وہاں یہ حربہ بھی استعمال کیا کہ اپنی مجلسوں میں مسلسل اس گمراہ کن عقیدے کی تبلیغ کی کہ ''شریعت اور طریقت دو جداگانہ چیزیں ہیں، اور جب ایک شخص طریقت کے دائرے میں قدم رکھتا ہے تو اس کے لئے شریعت کی پابندی لازمی نہیں رہتی۔ جی چاہے پابندی کرے، جی چاہے نہ کرے''۔

ملوکیت نے دین اور دنیا میں تفریق تو پہلے ہی سے قائم کر دی تھی اور اس غیر اسلامی تعلیم نے مسلمانوں کی اجتماعی، اخلاقی اور دینی زندگی کو تباہ کر دیا تھا، رہی سہی کسر اس غیر اسلامی تصوف نے پوری کر دی، کیونکہ شریعت اور طریقت کی تفریق سے اباحتِ مطلقہ کا دروازہ کھل گیا اور مسلمانوں کی روحانی زندگی ختم ہو کر رہ گئی۔

قرامطہ کو اس تفریق کی ضرورت اس لئے بھی پیش آئی کہ اگرچہ انہوں نے مصلحتاً تصوف کا لبادہ اوڑھ لیا تھا مگر دل تو بدستور غیر اسلامی تھا۔ اسلئے انہوں نے اس ''نکتہ معرفت'' کو شد و مد کے ساتھ پیش کیا تا کہ کوئی شخص ان پر عدم پابندیٔ شرع کا الزام عائد نہ کر سکے۔ علاوہ بریں ان جعلی صوفیوں کے حاشیہ نشینوں نے عوام کو یہ کہہ کر گمراہ کیا کہ نمازِ پنج گانہ تو عوام کے لئے ہے، یہ حضرات تو ہر وقت نماز میں مشغول رہتے ہیں۔

اس تعلیم کا نتیجہ یہ نکلا کہ رفتہ رفتہ مسلمانوں میں قلندری اور ملامتی درویشوں کی جماعتیں پیدا ہو گئیں۔ ان دونوں جماعتوں کے افراد پابندیٔ شریعت سے آزاد رہتے

تھے بلکہ اس آزادی میں فخر محسوس کرتے تھے اور تحقیر شریعت کو اپنے لئے طغرائے امتیاز بناتے تھے۔

قلندروں کی جماعت نے سیاحت اور صحرانوردی کو اپنا شعار بنالیا' کیونکہ اس طرح سیر وتفریح کے مواقع بھی بآسانی میسر آسکتے تھے اور جدوجہد کے بغیر زندگی بسر ہو سکتی تھی' یعنی جس شہر میں پہنچے وہاں کے مسلمانوں پر اپنے تقدس (ترکِ دنیا) کا سکہ جما کر اعلیٰ درجہ کی ضیافت کا انتظام کرلیا۔ رفتہ رفتہ ان کے اخلاق بالکل تباہ ہو گئے۔ بخوف طوالت' تفصیل سے اجتناب کرتا ہوں۔

رہے ملامتی فرقے کے لوگ تو انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کو سب سے زیادہ ضعف پہنچایا کیونکہ دین کی بنیاد ہی منہدم کردی۔ انہوں نے ہر اس فعل کا ارتکاب کیا جس کی شریعت نے ممانعت فرمائی ہے۔ قرامطہ نے ان کو یہ نکتہ عجیبہ جیسے ابلیسی ذہانت کا شاہکار کہنا زیادہ مناسب ہوگا' سمجھایا کہ:

۱) تصوف کا مقصود ہے نفس امارہ کو مغلوب کرنا۔

۲) اس کے مغلوب کرنے کا ایک طریقہ اس کی تذلیل بھی ہے۔

۳) اس لئے ایسے کام کرو جن کی وجہ سے لوگ تمہیں برا کہیں۔

۴) جب لوگ تمہیں برا سمجھیں گے' گالیاں دیں گے' دین اسلام سے خارج کردیں گے' تمہارا سوشل بائیکاٹ کریں گے تو یقیناً نفس امارہ' نفس مطمئنہ میں تبدیل ہو جائے گا۔

چونکہ اتباع شریعت نفس پر گراں ہے اس لئے یہ ''ملامتی طریقہ'' بہت جلد مقبول ہوگیا اور آج بھی ہندو پاکستان کے مختلف شہروں میں آپ کو ایسے لوگ مل سکتے ہیں جو:

۱) علانیہ شریعت اور طریقت میں تفریق کرتے ہیں اور پیر ہونے کے باوجود نہ نماز پڑھتے ہیں' نہ روزہ رکھتے ہیں' نہ اتباع شریعت کرتے ہیں۔ وجہ کیا ہے؟ صرف یہ کہ وہ کہتے ہیں کہ اب ہم روحانیت کے اس مقام پر فائز ہیں جہاں یہ رسوم ظاہری بے کار ہو جاتی ہیں اور اپنے زعم باطل کی تائید میں یہ آیت پیش کردیتے ہیں: ﴿وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ﴾ یعنی ''اپنے رب کی اس وقت تک عبادت کر جب

تک تجھ میں یقین کی کیفیت پیدا نہ ہو''۔ اس کے بعد وہ کہتے ہیں کہ چونکہ ہمارے اندر یقین پیدا ہو چکا ہے اس لئے اب ہمیں عبادت کی ضرورت نہیں ہے۔ حالانکہ افضل الرسل، خیر البشر، سرکار دو عالم ﷺ آخر وقت تک نماز پڑھتے رہے!

۲) درویشی کے پردے میں منہیات کا ارتکاب کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم اسی لئے تو شراب پیتے ہیں کہ لوگ ہمیں برا سمجھیں اور اس طرح ہمارا نفس مردہ ہو جائے جو مقصود اسلام ہے۔

یہ ''بے شرع'' اور ''خلاف شرع'' صوفی جو دراصل ملاحدہ اور زنادقہ کی جماعت کے دو افراد ہیں، پانچویں صدی سے دنیائے اسلام میں اپنی فتنہ پردازی اور شرارت انگیزی میں مصروف ہیں۔ میں صرف ایک شخص کا ذکر کروں گا جس کا نام مادھو لال حسین ہے۔ یہ شخص اکبر کے عہد میں لاہور میں رہتا تھا۔ ایک طرف اپنے اشعار میں خالص توحید اور عشق الٰہی کا درس دیتا تھا، دوسری طرف ایک کھتری بچہ مادھو کے عشق میں گرفتار تھا اور بلا تامل خلاف شرع امور کا ارتکاب کرتا تھا۔

ملامتی فرقے کے درویش لاہور کے علاوہ دلی میں بھی تھے۔ اسی لئے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ:

''جو صوفی شریعت اور طریقت میں فرق کرتا ہے، وہ صوفی نہیں ہے بلکہ فرقۂ باطنیہ سے تعلق رکھتا ہے''۔

میرا خیال ہے کہ میں نے اپنے دعوے کے ثبوت میں کافی سے زیادہ شواہد پیش کر دیئے ہیں کہ بلاشبہ:

۱) مسلمانوں میں غیر اسلامی تصوف بھی پیدا ہوا جسے ہم ایرانی یا عجمی تصوف بھی کہہ سکتے ہیں اور اس تصوف کو اسلام سے کوئی علاقہ نہیں ہے، کیونکہ اس کی بنیادی تعلیمات اسلام کی تعلیمات کے خلاف ہیں جیسا کہ مہدی توحیدی پور نے ''نفحات الانفس'' کے عنوان میں لکھا ہے:

''زیر اصول طریقت تصوف در بسیارے موارد با قوانین دین مبین اسلام معارض است''

''اور اس میں کیا شک ہے کہ ایرانی تصوف' اکثر موارد میں دین مبین اسلام کے قوانین کی ضد ہے۔ اسلام خدا پرستی سکھاتا ہے اور یہ غیر اسلامی یا ایرانی تصوف انسان پرستی کا سب سے بڑا علم بردار ہے''۔

۲) اس غیر اسلامی تصوف کا بیج قرامطہ نے بویا۔ انہوں نے اپنے مقاصدِ مشؤمہ اور عقائد مذمومہ کی تبلیغ کے لئے تصوف کو آلۂ کار بنایا اور صوفیوں کے لباس میں بے شمار مسلمانوں کو گمراہ کر دیا۔

بطور تائید مزید مقدمہ شرح گلشن راز نوشتہ آقائے کیوان سمیعی (شیعہ اثنا عشری) سے چند اقتباسات کا اردو ترجمہ ذیل میں درج کرتا ہوں:

''صوفیوں میں حلول و اتحاد کے غیر اسلامی عقائد کی اشاعت کا ظاہری سبب یہ ہے کہ مسلمانوں میں فرقِ ضالہ کے پیروؤں نے اپنے مقاصد پلید کی اشاعت کے لئے۔ اپنے آپ کو صوفیوں کے لباس میں ظاہر کیا۔ ان لوگوں کی صورت تو صوفیانہ تھی مگر سیرت صوفیانہ نہیں تھی۔ ان لوگوں نے اپنے غلط عقائد صوفیوں میں شائع کر دیئے تھے۔ اور چونکہ عامۃ الناس ان میں اور سچے صوفیوں میں فرق نہ کر سکے (اور کر بھی کیسے سکتے تھے؟) اس لئے فرقِ مذکورہ کے معتقدات کو صوفیوں کے معتقدات سے مخلوط اور منسوب کر دیا۔ چنانچہ شمس الدین محمد سخاوی اپنی تصنیف ''الضوء اللامع'' میں دربارۂ فضل اللہ استرآبادی (جو باطنی بھی تھا اور مذہب اتحاد کا بھی معتقد تھا اور فرقہ حروفیہ کا بانی بھی تھا) لکھتا ہے: ''وے بلباسِ درویشاں درآمد خود را ازاں طائفہ معرفی کرد''۔ وہ درویشوں کے لباس میں ظاہر ہوا اور اپنے آپ کو اسی گروہ سے وابستہ کر کے ایک صوفی کی حیثیت سے پیش کیا۔ اس کے باوجود تعطیل احکام شرعیہ و اباحتِ محرمات و ترک مفترضات کا حکم دیا''۔ (الضوء اللامع فی اعیان القرن التاسع' ج ۶' ص ۱۷۶)''

پروفیسر ای جے ڈبلیو گب اپنی تاریخ شعر ترکان عثمانی کے صفحہ ۳۳۸ پر لکھتا ہے:

''تاریخ اسلام میں بارہا ایسا اتفاق ہوا ہے کہ دعاۃ مذہب بدع و ضلال نے اشتباہ کاری اور اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے عوام کے حسنِ ظن کو مدنظر رکھ کر

باطل عقائد رکھنے والے صوفیہ سے استفادہ کیا ہے اور اپنے آپ کو انہی سے وابستہ ظاہر کیا ہے۔''

چنانچہ نظام الملک طوسی کا قاتل جو دراصل فرقہ اسمٰعیلیہ سے تعلق رکھتا تھا' صوفیہ کے لباس میں ظاہر ہوا تھا (اس نے صوفی بن کر طوسی کا قرب حاصل کیا اور موقع پا کر اسے قتل کر دیا) اسی طرح باطنیہ فرقے کے دو آدمی صوفی بن کر شاہ عباس صفوی کے پاس آئے اور اسے مذہب امامیہ سے منحرف کرنے کی کوشش کی تھی۔

فرقہ اسمٰعیلیہ میں وہ طائفہ جو حشاشین کے نام سے بدنام ہے' اس کے افراد بھی ہمیشہ صوفیوں ہی کے لباس میں ظاہر ہوتے تھے۔ اور جب وہ صوفیہ کے عقائد بیان کرتے تھے تو اپنے عقائد بھی شامل کر دیتے تھے اور اسی طرح عقیدۂ شخصی عقیدۂ صوفیہ بن جاتا تھا۔ چنانچہ متاخرین ان کے ایسے اقوال کی تاویل کرتے تھے۔ مثلاً شیخ عزیز نسفی اس بات کا قائل ہے کہ مرد عارف کی روح اس کی وفات کے بعد کاملین کے بدن میں داخل ہو جاتی ہے۔ اگرچہ یہ عقیدہ بالکل عقیدۂ تناسخ کا ہم معنی ہے مگر ایک صوفی سے منسوب ہے' اس لئے ملاّ ہادی سبزواری نے اپنی تصنیف اسرار الحکم' جلد اوّل' صفحہ ۲۴۸ میں شیخ مذکور کے اس قول کی تاویل کی ہے اور اس کے غیر اسلامی عقیدے کا نام ''تناسخ مجازی'' رکھ کر شیخ مذکور کی برأت کی کوشش کی ہے' حالانکہ یہ عقیدہ صریحاً ''تناسخ ارواح'' کا عقیدہ ہے جو کفر ہے۔

(ماخوذ و مقتبس از مقدمہ گلشن راز نوشتہ کیوان سمیعی شیعی' مطبوعہ چاپ خانہ حیدری از انتشارات کتابخانہ محمودی طہران ۱۳۳۷ شمسی' صفحہ ۳۸ و ۳۹)

یہ ایک شیعہ عالم کی عبارت ہے جس پر کسی تبصرے یا حاشیے کی ضرورت نہیں ہے اور میرے مدعا کو بخوبی ثابت کرتی ہے۔

اس کے بعد میں علامہ ابنِ خلدون کی شہادت پیش کرتا ہوں۔ وہ اپنی تاریخ کے شہرۂ آفاق مقدمے میں یوں رقم طراز ہیں:

''صوفیائے متقدمین کے روابط ان غلاۃ اسمٰعیلی شیعوں سے استوار ہو گئے جو حلول اور الوہیت ائمہ کے قائل تھے۔ ابتدائی دور کے اسمٰعیلیہ ان عقائد سے

آگاہ نہ تھے۔ بہرحال اسمٰعیلیہ اور صوفیہ دونوں گروہ ایک دوسرے کے عقائد سے متاثر ہوئے اور ان کے نظریات وعقائد آپس میں مدغم ہوگئے۔ چنانچہ صوفیہ کے یہاں بھی ''قطب'' کا نظریہ پیدا ہوگیا جس کا مطلب ہے سیّد العارفین یا تمام عرفاء کا سرتاج۔ صوفیہ نے یہ فرض کرلیا (بلا دلیل) کہ کوئی صوفی معرفت کے لحاظ سے قطب کے مقام کو نہیں پہنچ سکتا جب تک خدا اس قطب کو وفات نہ دے۔ ہاں اس کی وفات کے بعد خدا اس کا مقام اس کے جانشین کو عطا کر دیتا ہے (یہ عقیدہ اسمٰعیلیہ کے عقیدۂ امامت سے مشابہ ہے کہ جب ایک امام مرتا ہے تو اس کی روح اس کے جانشین میں منتقل ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے اسے الوہیت اور معصومیت کا مقام حاصل ہو جاتا ہے۔ اسی لئے امام کی زندگی میں دوسرا شخص امامت کے مرتبے پر فائز نہیں ہوسکتا'')

چنانچہ مشہور فلسفی ابنِ سینا نے (جو باطنی تھا) اپنی تصنیف ''کتاب الاشارات'' میں اس نظریئے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

''یہ صداقتِ عظمیٰ (حقانیت کبریٰ) اس قدر رفیع الشان ہے کہ ہر طالب کو حاصل نہیں ہوسکتی اور نہ ایک وقت میں ایک سے زیادہ شخص اس مرتبے پر فائز ہوسکتا ہے۔''

(تفصیل کے لئے دیکھو ''کتاب الاشارات والتنبیہات'' النمط التاسع)

واضح ہو کہ اقطاب کے تسلسل کا نظریہ نہ شریعت سے ثابت ہوسکتا ہے نہ دلائل عقلیہ سے۔ یہ محض ایک استعارہ ہے اور غلاۃ شیعہ کے نظریۂ امامت سے مطابقت رکھتا ہے جس کی رو سے ایک امام کی وفات کے بعد اس کا فرزند امامت کو بھی ترکے یا ورثے میں حاصل کر لیتا ہے (جس طرح جائیداد منتقل ہوتی ہے امامت بھی منتقل ہو جاتی ہے) بلاشبہ صوفیوں نے یہ تصور غلاۃ شیعہ سے حاصل کیا ہے۔

علاوہ ازیں جس طرح باطنیہ امام کے بعد نقباء کا وجود تسلیم کرتے ہیں اسی طرح صوفیہ قطب کے بعد اولیاء کا وجود تسلیم کرتے ہیں جن کا مرتبہ قطب کے بعد ہے۔ چنانچہ شیعہ کے ساتھ ان کے عقائد کی مماثلت کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ جب انہوں نے خرقہ پوشی کے لئے مشائخ کا سلسلہ مرتب کیا تو اسے

حضرت علیؓ تک پہنچا دیا۔ یقیناً یہ بات انہوں نے شیعوں کے زیر اثر آ کر کی، کیونکہ جو صحابہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ قرب رکھتے تھے، ان میں حضرت علیؓ کو کسی مخصوص عمل کی بناء پر یا لباس کی بناء پر کوئی درجۂ اختصاص حاصل نہیں تھا۔

بلاشبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ تمام صحابہؓ میں سب سے زیادہ متقی اور زاہد تھے۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی کسی خاص مذہبی عمل کی وجہ سے دوسروں سے متمیز نہیں تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ جس قدر صحابہؓ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت کا شرف حاصل تھا وہ سب کے سب مذہب، پرہیزگاری، زہد و ورع اور مجاہدانہ زندگی کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ اس بات کا ثبوت ان کی زندگی اور تاریخ دونوں سے مل سکتا ہے۔ بلاشبہ اس قسم کے قصوں سے شیعہ مسلمانوں میں یہ خیال پیدا کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کو بعض مخصوص صفات کی وجہ سے دیگر صحابہؓ کے مقابلے میں امتیازی شان حاصل ہے''۔

(مقتبس از مقدمۂ ابن خلدون، باب ششم، فصل شانزدہم، انگریزی ترجمہ جلد سوم، صفحہ ۹۲ تا ۹۳، مطبوعہ نیویارک ۱۹۵۸ء)

اپنے دعوے کی مزید تائید کے لئے میں تصوف کی کتابوں سے وہ غیر مستند اور غیر معتبر اور باطل روایات ذیل میں درج کرتا ہوں جو دشمنانِ اسلام نے ان کتابوں میں اپنی طرف سے وضع کر کے داخل کر دی ہیں۔ اور ان تحریفات کی مثالیں بھی درج کروں گا جو انہوں نے کتب تصوف میں کی ہیں۔ اس کے بعد ان غیر اسلامی عقائد کی نشان دہی کروں گا جو دین سے ناواقف مسلمان صوفیوں میں مقبول ہو گئے ہیں۔

اکابر اہل سنّت کی تصانیف میں تدلیس و تدسیس

پروفیسر سعید نفیسی کی رائے

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اپنے دعوے کو ثابت کرنے سے پہلے مشہور ایرانی محقق اور فاضل پروفیسر سعید نفیسی کی تصنیف ''جستجو در احوال و آثار فرید الدین عطار نیشاپوری'' سے چند اقتباسات ہدیۂ ناظرین کروں۔ موصوف لکھتے ہیں:

''جب اسلام میں مختلف فرقے پیدا ہوئے تو آغاز ہی سے انہیں ایران میں اپنے پیرو کثیر تعداد میں مل گئے۔ دراصل اسلامی فرقوں کی تاسیس کا سہرا ایرانیوں کے سر ہے۔ اس کی دلیل بالکل واضح اور روشن ہے۔ ایرانی باشندے عربوں کے تسلط سے پہلے بارہ سو سال تک دنیا میں بڑے جاہ و جلال کے ساتھ زندگی بسر کرتے چلے آ رہے تھے' اس لئے انہیں اپنے اوپر خلفائے دمشق یا خلفائے بغداد کی حکمرانی کسی طرح پسند یا گوارا نہ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ہر ایرانی ایک اصول اپنی طرف سے وضع کرتا تھا اور ایک گروہ اس کا ہم نوا بن جاتا تھا اور یہ سلسلہ نویں صدی تک جاری رہا۔

پانچویں صدی تک بیشتر اہل ایران حنفی تھے یا شافعی تھے۔ طبرستان میں زیدیہ فرقہ اکثریت میں تھا۔ سبزوار کے علاقے میں شیعہ جعفریہ کا غلبہ تھا۔ قزوین میں اسمٰعیلیہ کا زور تھا۔ کرامیہ فرقہ جنوبی خراسان میں معروف تھا۔ صوفیہ اپنے آپ کو ان فرقوں سے مافوق سمجھتے تھے اور کسی کی مخالفت نہیں کرتے تھے۔ مشہور صوفی عبداللہ انصاری حنبلی تھے۔ ان کے علاوہ چھٹی صدی تک تمام صوفیہ حنفی تھے۔''

مؤلفِ ''مجالس المؤمنین'' نے جو شیعہ تراشی میں مشہور ہے' عطار ؒ کو شیعہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور دلیل میں وہ اشعار پیش کئے ہیں جو انہوں نے علی بن ابی طالب کی منقبت میں لکھے ہیں۔ حالانکہ انہوں نے ''ہر چہار یار'' کی

مدح کی ہے اور دونوں گروہوں کے تعصب کا رد کیا ہے۔ طہران میں عطار کی بعض مثنویوں میں سے پہلے تین خلفاء کے مناقب کو اسی لئے حذف کر دیا گیا ہے۔ ایرانی شیعہ دورۂ صفویہ سے پہلے تینوں خلفاء کی شان میں بدزبانی نہیں کرتے تھے۔ عطار نے ہر مثنوی میں چار یار کی مدح کی ہے۔ اگرچہ موجودہ نسخوں میں مدحِ خلفاء کو حذف کر دیا گیا ہے، مگر قلمی نسخوں میں مدح موجود ہے۔ مثلاً اسرارِ زمانہ میں مرقوم ہے:

سپہر صدق را خورشید انور　　امیر المؤمنین صدیق اکبرؓ
شریعت را نخستین قرۃ العین　　رفیقِ مصطفیٰ و ثانی اثنین

قلمی نسخے میں ایک شعر یوں ہے:

سوار دیں پسر عم پیمبر　　شجاع شرع و صاحب حوضِ کوثر

لیکن طہران کے مطبوعہ نسخے میں اسے اس طرح تبدیل کیا گیا ہے:

خصوص آں وارث دین پیمبر　　چراغ شرع و صاحب حوضِ کوثر

مصیبت نامہ عطار کے قلمی نسخے میں یہ اشعار موجود ہیں:

تا نبی صدیق را محرم گرفت　　صبح صادق جملۂ عالم گرفت
مردہ ای کہ می رود بروئے خاک　　ہست از قول نبی صدیق پاک

مدح صدیقی میں ۲۷ اشعار ہیں، مدح فاروقی میں ۱۲۲ اشعار ہیں، مدح عثمانی میں ۲۷ اشعار ہیں۔ لیکن اسی مصیبت نامہ کا جو ایڈیشن ۱۳۵۴ء میں طہران سے شائع ہوا ہے اس میں ان کو حذف کر دیا گیا ہے۔

حالانکہ اس میں شک نہیں ہے کہ عطارؒ سلسلہ کبیرویہ سے متعلق تھے اور شیخ نجم الدین کبریٰ کے معتقد تھے۔ (اہل سنّت میں سے تھے نہ کہ شیعہ)

عطار سے ۶۶ کتابیں منسوب ہیں، لیکن ان میں سے صرف دس کتابیں ان کی مصنفہ ہیں:

خسرو نامہ، مختار نامہ، اسرار نامہ، مصیبت نامہ، دیوان، جواہر نامہ، شرح القلب، الٰہی نامہ، پند نامہ اور منطق الطیر۔

جو کتابیں ان سے منسوب ہیں ان میں سے ایک کتاب کا نام جواہر الذات ہے۔ یہ کتاب ۱۳۵۵ھ میں طہران سے شائع ہوئی تھی، لیکن اس کتاب کے

مصنف نے اکثر مقامات پر ''اظہار تشیع'' کیا ہے' اس لئے کسی طرح ممکن نہیں ہے کہ یہ کتاب عطار کی تصنیف ہو۔ اسی طرح حلاج نامہ بھی عطار کی تصنیف نہیں ہے۔ تیسری کتاب جو عطار سے منسوب ہے' اس کا نام ہی فصل ہے۔ ''گویندۂ ایں کتاب ہم شیعہ بودہ'' اس کتاب کے ایک شعر سے ثابت ہے کہ اس کا مصنف وہی ہے جس نے جواہر الذات لکھی ہے۔ وہ شعر یہ ہے:

بجوہر ذات گفتم ایں معانی   تو می باید کہ ایں معنی بدانی

لسان الغیب بھی ان کی تصنیف نہیں ہے' کیونکہ اس میں یہ اشعار مندرج ہیں:

شیعۂ پاک است عطار اے پسر   جنس ایں شیعہ بجانِ خود بخر
ماز فاروق (۱۸) التجا برکندہ ایم   پے ز نورین (۱۹) شما بریدہ ایم

پروفیسر نفیسی نے آخر میں یہ فیصلہ صادر کیا ہے:

''در ہر صورت ہیچ تردیدے نیست کہ مردے بودہ است جعال' در قرن نہم' کہ خود را فریدالدین عطار می خواند و در مشہد می زیست و چندیں کتب ست و بے مغز مانند اشتر نامہ' بلبل نامہ' جواہر الذات' حلاج نامہ' خیاط نامہ' کنز الاسرار' لسان الغیب' مظہر العجائب ساختہ کہ ہیچ وجہ از فریدالدین عطار نیشاپوری' نیست'' (ص ۱۶۶)

جو نسخہ جواہر الذات کا میری نظر سے گزرا ہے اس میں سے صرف دو شعر ذیل میں درج کرتا ہوں جن سے پوری کتاب کا اندازہ ہو جائے گا۔ اور یہ بات بھی واضح ہو جائے گی کہ یہ شعر حضرت شیخ فریدالدین عطار نیشاپوریؒ اپنے قلم سے ہرگز نہیں لکھ سکتے تھے:

محمد را شناس ایں جا خدا تو   وگرنہ او فتی اندر بلا تو
علی با مصطفیٰ ہر دو خدایند   کہ دم دم راز بر ما می کشایند

ان شعروں کے مضمون سے صاف ظاہر ہے کہ ان کا کہنے والا عبداللہ بن سباء کا مخلص پیرو تھا اور طائفہ ضالہ یا قرامطہ سے تعلق رکھتا تھا۔

میں نے پروفیسر سعید نفیسی کی محققانہ تصنیف سے یہ اقتباسات اس لئے درج کئے

---

۱۸) یعنی حضرت فاروق اعظمؓ
۱۹) یعنی حضرت عثمان ذوالنورینؓ

ہیں کہ ناظرین پر یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ:

۱) قرامطہ نے صوفی بن کر اپنے عقائد باطلہ کو اسلامی تصوف کے ساتھ اس طرح مخلط کر دیا کہ عوام کے لئے امتیاز بین الحق والباطل ناممکن ہو گیا۔

۲) تصوف کے نام سے عامتہ المسلمین میں اپنے عقائد شائع کر دیئے اور شیخ طریقت بن کر ان عقائد کو دن رات اپنی مجلسوں میں بیان کر کے جاہل اور سادہ لوح اہل سنّت کے دل و دماغ میں اس طرح پیوست کر دیا کہ وہ ان کی جذباتی 'اخلاقی اور روحانی زندگی کا جزو لاینفک بن کر رہ گئے۔ چنانچہ وہ ہر مصیبت کے وقت اللہ کے بجائے کسی غیر اللہ ہی کو پکارتے ہیں۔ ان کی زبان پر بے ساختہ کسی اپنے ہی جیسے عاجز اور فانی انسان کا نام آ جاتا ہے۔ حالانکہ تصوف نام ہی ہے نقش غیر کو لوحِ دل سے مٹا دینے کا۔

کجا غیر و کو غیر و کو نقش غیر   سوی اللہ واللہ مافی الوجود
کل مافی الکون وہم او خیال   او عکوس فی المرایا او ظلال

۳) اسلام کے ان دشمنوں نے تصوف کی مشہور کتابوں میں اپنے عقائد شامل کر دیئے اور جہاں موقع ملا اسلامی عقائد کو حذف کر دیا۔

۴) مشہور صوفیوں کے نام کا ناجائز استعمال کیا' یعنی کتابیں خود لکھیں مگر انہیں اہل سنّت کے مستند مشائخ روحانی سے منسوب کر دیا۔

۵) تقیہ کی بدولت عوام اور خواص دونوں کو مدتوں تک مغالطے میں رکھا۔

کامیابی اور غیر معمولی کامیابی اس لئے ہوئی کہ مرید مسلوب الارادہ ہوتا ہے۔ یہاں تک تو ٹھیک ہے کہ مرید اللہ تک پہنچنے کے لئے وہی طریق اختیار کرے جو اس کا شیخ اسے بتائے' جس طرح کسی دنیاوی فن مثلاً موسیقی' مصوری' خطاطی' سنگ تراشی وغیرہ میں کمال حاصل کرنے کے لئے شاگرد وہی طریق کار اختیار کرتا ہے جو اس کا استاد اسے بتاتا ہے' لیکن تصوف کی دنیا میں رفتہ رفتہ ایک غلطی عام ہو گئی جس کی وجہ سے تصوف بھی بدنام ہو گیا اور صوفیوں میں شخصیت پرستی بھی راہ پا گئی۔ وہ غلطی یہ تھی کہ بعض جاہل مریدوں نے یہ سمجھ لیا کہ اس راہ میں مرید کو مسلوب الارادہ ہو جانے کے ساتھ

ساتھ مسلوب العقل بھی ہو جانا چاہئے۔ اسی عقل و فہم سے بے گانہ ہو جانے کا یہ نتیجہ نکلا کہ تصوف کی کتابوں میں اور مشائخ کے ملفوظات میں جو خلافِ شرع اور خلافِ عقل باتیں دشمنانِ اسلام کی تدسیس و تحریف و تدلیس سے داخل ہوگئی ہیں، کوئی شخص نہ ان کی تغلیط و تکذیب کی جرأت کرتا ہے نہ انہیں ان کتابوں سے خارج کرنے کا خیال دل میں لاسکتا ہے۔ یہ ہے وہ تقلید کور یا اندھی عقیدت جس نے تصوف کو بھی بدنام کیا اور مسلمانوں کی عقلی زندگی کو بھی مفلوج کر دیا۔ ع

آہ محکومی و تقلید و زوالِ تحقیق !

گزشتہ بیس سال میں تصوف کی جس قدر کتابیں نظر سے گزریں اکثر و بیشتر کتابوں میں ایسی روایات موجود پائیں جو نہ نقلاً صحیح ہیں نہ عقلاً، بلکہ ان کی لغویت اظہر من الشمس ہے۔ چنانچہ آئندہ اوراق میں اس کی متعدد مثالیں درج کی جائیں گی۔ اس موقع پر میں اس حقیقت کے اظہار سے باز نہیں رہ سکتا کہ دشمنانِ اسلام نے کتب تصوف کے علاوہ مسلمانوں کے مذہبی ادب کے ہر شعبے میں اپنے عقائد شامل کر دیئے ہیں اور اسلام کی تاریخ کو تو خاص طور سے تدسیس و تحریف و تدلیس کا ہدف بنایا ہے۔ (۲۰)

۲۰) سیرۃ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مؤلفہ سید سلیمان ندوی مرحوم، ص ۱۴۲ سے اس کی ایک مثال ذیل میں درج کرتا ہوں:

''بعض شیعی مؤرخوں نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کچھ سپاہیوں کے ساتھ ایک سپید خچر پر سوار ہو کر امام حسنؓ کے جنازے کو روکنے کے لئے نکلیں..... الخ۔ یہ روایت تاریخ طبری کے ایک پرانے (نسخے) فارسی ترجمے میں، جو ہندوستان میں چھپ بھی گیا ہے، نظر سے گزری ہے، لیکن جب اصل متن عربی مطبوعہ یورپ کی طرف رجوع کیا تو جلد ہفتم کا ایک ایک لفظ پڑھنے کے بعد بھی یہ واقعہ نہ ملا۔ طبری کے اس فارسی ترجمے میں درحقیقت بہت سے حذف و اضافے ہیں''۔

میں بھی اسلامی ادب کا پچاس سال سے زائد عرصے تک مطالعہ کرنے کے بعد اسی نتیجے پر پہنچا ہوں کہ قرآن حکیم کو چھوڑ کر دشمنانِ اسلام نے ہر علم و فن کی کتابوں میں خصوصاً تاریخ، حدیث اور تصوف کی کتابوں میں حذف و اضافہ کا مقدس فریضہ سرانجام دیا ہے اور اس کا خاص مقصد صحابہ کرامؓ کی تنقیص و توہین و تحقیر ہے۔ اعوذ باللہ من ھذہ الخرافات۔

اس تمہید کے بعد اب میں تصوف کی مختلف کتابوں سے اپنے دعوے کے ثبوت میں شواہد پیش کرتا ہوں۔

۱) حدیقۃ الحقیقۃ مصنفہ حکیم سنائی غزنوی

فارسی نظم میں تصوف پر قدیم ترین کتاب ہے جو میری نظر سے گزری ہے۔ اس کے دو نسخے میرے پیش نظر ہیں۔ ایک نسخہ مطبوعہ طہران ہے جس پر مدرس رضوی استاد دانش گاہ طہران نے مقدمہ بھی لکھا ہے۔ دوسرا نسخہ لکھنؤ کا چھپا ہوا ہے۔ ذیل میں مقدمۂ مذکورہ سے چند اقتباسات پیش کرتا ہوں:

''سنائی پہلا شاعر ہے جس نے تصوف کے مضامین کو فارسی میں نظم کیا۔ (ص کج) چونکہ اس نے اپنے عقائد کی تفصیل میں دوستیٔ آل علیؑ میں غلو کے علاوہ آل ابوسفیان کے ساتھ دشمنی کا اظہار بھی کیا تھا اس لئے علماء نے اس کی تکفیر کی اور اس کی کتاب کو کتابِ گمراہی قرار دیا اور اس حد تک مخالفت کی کہ بہرام شاہ سلطان غزنوی نے اسے قید کر دیا۔ (ص ل) زمانۂ تصنیف (چھٹی صدی ہجری) سے اب تک اس کتاب میں ''تحریفات وتصرفات فراواں'' ہو چکی ہے (ص لب) مختلف قلمی نسخوں میں اشعار کی تعداد مختلف ہے۔ بعض نسخوں میں پانچ ہزار ابیات ہیں، بعض میں چھ ہزار اور بعض میں دس ہزار ہیں (ص لب)۔ اس کتاب کے دو نسخے ایسے نہیں ملتے ہیں جن میں موافقت ہو۔ اور یہ اختلاف کبھی اس حد تک نظر آتا ہے کہ آدمی حیران رہ جاتا ہے۔ (ص نط) قلمی نسخہ موسومہ ''ی'' میں مناقب امیر المؤمنین علیؑ بن ابی طالب واولادہ الحسنؑ والحسینؑ کا اضافہ کیا گیا ہے۔ (ص ۵۸) قلمی نسخہ موسومہ ''م'' اور بعض دوسرے نسخوں میں فصل ''حرب جمل'' موجود نہیں ہے''۔ (ص ۲۵۵)

مقدمہ نگار مذکور نے حواشی میں صدہا اختلافات کی نشان دہی کی ہے، جنہیں بخوفِ طوالت نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ ایضاحِ مقصد کے لئے یہی دو حوالے کافی ہیں۔ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی سبائی نے مناقب علی واولادہ اور حرب جمل کا اپنی طرف سے اضافہ کر کے سنائی کی شخصیت اور اس کی کتاب دونوں کو محل شک، باعث تقبیح اور موجب لومتہ لائم بنا دیا، یعنی ایک تیر سے تین شکار کئے۔ اس تدسیس وتحریف اور حذف

واضافہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ پوری کتاب پایۂ اعتبار سے ساقط ہوگئی۔ اب ہمارے پاس کوئی آلہ یا مقیاس یا معیار ایسا نہیں ہے جس کی بناء پر ہم قطعیت کے ساتھ کوئی حکم لگا سکیں۔ اس کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے:

جو نسخہ نولکشور پریس لکھنؤ سے ۱۸۸۷ء میں شائع ہوا تھا اس کے ساتھ خواجہ عبداللطیف العباسیؒ کے حواشی بھی ہیں۔ خواجہ صاحب مرحوم اپنے دیباچے میں لکھتے ہیں:

''چونکہ ہندوستان میں ''دو نسخہ باہم موافق یافت نمی شد'' اس لئے نواب محمد عزیز کوکلتاش المقلب بخانِ اعظم نے ۱۰۰۰ھ میں ایک شخص کو غزنی بھیجا کہ وہاں سے صحیح نقل حاصل کرے۔ میں نے یہ نسخہ امیر عبدالرزاق کے پاس اپنے وطن آگرہ میں دیکھا۔ ۱۰۳۷ھ میں اس پر حواشی لکھے۔'' (ملخص از دیباچہ)

خواجہ صاحب مرحوم قبل ازیں مثنوی مولانا روم کے مشکل اشعار کی شرح کر کے علمی دنیا میں شہرت حاصل کر چکے تھے۔ اس شرح کا نام لطائف معنوی ہے اور اس کی قدر و قیمت کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ مشہور معاندِ اسلام پروفیسر آر اے نکلسن نے اپنے ترجمہ اور حواشی میں اس شرح سے استفادۂ کلی کیا ہے۔ حدیقہ پر جو حواشی خواجہ صاحب مرحوم نے لکھے ہیں وہ میری رائے میں حرفِ آخر کا حکم رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے بعد کسی کو اس کتاب پر حواشی لکھنے کی ہمت نہ ہوسکی۔ (۲۱)

آمدم برسر مطلب' سنائی نے اس کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ثناء کے بعد حضرات صدیق اکبرؓ' فاروق اعظمؓ اور عثمان غنیؓ کے مناقب لکھے ہیں۔ ان سے یہ ثابت ہوا ہے کہ وہ اہل سنّت میں سے تھا۔ لیکن جب وہ حضرت علیؓ حسنؓ اور حسینؓ کے مناقب لکھتا ہے تو پیروان ابن سباء کا لب ولہجہ اور اندازِ بیان اختیار کر لیتا ہے۔ نیز ان تمام روایات کو بآب وتاب بیان کرتا ہے جو قطعاً وضعی ہیں اور تمام محدثین

---

۲۱) میں نے یہ چند سطور قصداً لکھی ہیں تاکہ خواجہ صاحب مرحوم کا نام نامی تاریخ تصوف کے اوراق میں محفوظ ہو جائے' ورنہ ظاہر ہے کہ جس طرح میرے زمانہ طفولیت میں عربی ختم ہو رہی تھی' اسی طرح ستر سال کے بعد فارسی بھی آخری ہچکیاں لے رہی ہے۔ وہ زمانہ بہت قریب ہے جب اس ملک کے دانشور فارسی ادب سے بھی اسی طرح بے گانہ ہو جائیں گے جس طرح عربی ادب سے ناآشنا ہو چکے ہیں۔

نے انہیں ردّ کر دیا ہے۔ میں بخوف طوالت وہ تمام اشعار تو نقل نہیں کر سکتا، مگر صفحات کا حوالہ ذیل میں درج کئے دیتا ہوں۔

صفحہ ۲۷۱، ۲۷۳، ۲۷۸ تا ۲۹۹، مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ ۱۸۸۷ء۔ لیکن بطورِ نمونہ چند اشعار پیش کرتا ہوں۔

عنوان حربِ جمل کے تحت نولکشوری اور ایرانی دونسخوں میں یہ اشعار مندرج ہیں:

در جمل چوں معاویہؓ بگریخت — خونِ ناحق بسے بخیرہ بریخت
شد ہزیمت بجانب بغداد — گشتہ از فعل زشت خود ناشاد
سرِ اجرارِ حیدرؓ کرار — سرفرازِ مہاجر و انصار
چوں مصافِ معاویہ بشکست — یافت بر لشکر معاویہؓ دست
جمل آں ستیزہ را پے کرد — برگ و سازِ معاویہؓ فے کرد
ہودجِ زن بخاکِ تیرہ فتاد — وز خجالت نقابِ رخ نکشاد!
گفت بد کردہ ام امانم دہ — در ترحم کنوں زمانم دہ
خواند حیدرؓ برادرش رازود — جملہ احوال ہا ورا بنمود
رفت وقتے محمدِ بوبکرؓ — آں ہمہ صدق و فارغ از ہمہ مکر
پس برآہیخت تیغ تا بزند — گفت حیدر مکن، کس ایں نکند
عفو کن تا بسوئے خانہ رود — بعد ازیں کار ہائے بد نکند
بسوئے مکہ زود بفرستاد — در تواضع محل او نہ نہاد

با ہزاراں خجالت و تشویر — رفت زی مکہ جفتِ گرم و زحیر
عاقبت ہم بدست آں باغی — شد شہید و بکشتش آں طاغی
آنکہ باجفت مصطفےٰ زیناں — بد کند، مرورا بمرد مخواں
چوں ازیں گشت فارغ آں بدمرد — قصدِ جانِ امیر حیدر کرد
پسر ہند اگر بدو بدر کرد — آں بدی داں کہ جملہ باخود کرد

میں نے یہ اشعار کلیجے پر پتھر کی سل رکھ کر نقل کئے ہیں، انتہائی مجبوری میں، کیونکہ اگر میں ان ناپاک اشعار کو نقل نہ کرتا تو اپنا دعویٰ ثابت نہ کر سکتا کہ پیروانِ عبداللہ بن

سباء نے جن کی اسلام دشمنی کا اندازہ صرف اس سے ہوسکتا ہے کہ انہوں نے ۳۱۷ھ میں خانہ کعبہ سے حجرِ اسود اکھیڑ کر اپنے پیشوا کے مکان کی دہلیز میں دفن کر دیا تھا تا کہ ہر آنے اور جانے والا اسے پامال کرتا رہے' تصوف کی کتابوں میں حذف و اضافہ کا ''مقدس فریضہ'' انجام دے کر لاکھوں مسلمانوں کی گمراہی کا سامان مہیا کر دیا ہے اور ان کی داخل کردہ روایات مرورِ ایام سے مسلمان صوفیوں کے دماغوں میں اس طرح پیوست ہو چکی ہیں کہ ان کا جدا کرنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ بلکہ نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ اگر کوئی مسلمان مسلمانوں کی مجلس میں ان جھوٹی روایات کو جھوٹا کہہ دے تو تمام سنّی مسلمان اس کو سنگ سار کر دیں گے۔

اب ناظرین ان اشعارِ آبدار کو پڑھ کر خود فیصلہ کر لیں کہ کیا کوئی صحیح العقیدہ سنّی مسلمان اس قسم کے ناپاک اشعار لکھ سکتا ہے؟ لاریب ان اشعار کا کہنے والا دشمن اسلام ہی نہیں ہے بلکہ جاہل بھی ہے۔ اگر یہ اشعار سنائی ہی کے ہیں تو اس کی اسلام دشمنی اور جہالت دونوں باتیں اظہر من الشمس ہیں' اور اگر اس کے نہیں ہیں تو میرا دعویٰ ثابت ہو گیا کہ یہ اشعار کسی دشمن دین سبائی نے اپنی طرف سے کتاب میں داخل کر دیئے ہیں۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ سنائی کی جلالت شان کی بدولت آٹھ سو سال میں کئی لاکھ مسلمانوں کا ایمان تباہ ہوا ہوگا۔ اگر سنائی کو خباثت اور سبائیت سے بری کرنے کے لئے ان اشعار کو الحاقی تسلیم کر لیا جائے تو بھی دشمنان اسلام تو اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ اور چونکہ ان اشعار کو متن کتاب سے حذف کر دینے کا کوئی امکان نہیں ہے اس لئے آبِ زم زم میں یہ ناپاک قطرات بدستور شامل رہیں گے۔

خواجہ عبداللطیف عباسی شارح حدیقہ نے ان اشعار پر یہ حاشیہ لکھا ہے:

''پس بحکم عقل و نقل کہ کتب معتبرہ سیر مثل روضۃ الاحباب وغیرھا آں ناطق است' ثابت و محقق شد کہ ایں داستان و مایتعلق بہادریں کتاب الحاقی است' واز حکیم نیست واللہ اعلم بالصواب''۔ (حاشیہ: ص ۲۸۰)

یہ حقیقت کہ ان اشعار کا مصنف تاریخ سے نا آشنا ہے' یعنی جاہل ہے' ان اشعار سے عیاں ہے۔

۱) ع در جمل چوں معاویہؓ بگریخت: تاریخ اسلام کا ہر واقف جانتا ہے کہ جنگ جمل میں حضرت معاویہؓ قطعاً شریک نہیں ہوئے تھے۔

۲) ع پس برآہیخت تیغ تا بزند: کسی تاریخ میں یہ بات مذکور نہیں ہے کہ محمد بن ابی بکر نے اپنی خواہر محترمہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا۔

۳) ع شد شہید و بکشتش آں طاغی: کسی تاریخ میں یہ بات مرقوم نہیں ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ نے ام المؤمنینؓ کو شہید کیا تھا۔

ان صریح کذب بیانیوں کے علاوہ ان اشعار میں ام المومنینؓ اور حضرت معاویہؓ کی شانِ اقدس میں جو ژاژ خائی اور ہرزہ سرائی کی گئی ہے اس سے صاف طور پر ثابت ہے کہ اس کا مرتکب اللہ، رسول اللہ اور دین اسلام سے کوئی سروکار نہیں رکھتا۔ سیدۃ النساء حضرت عائشہ صدیقہؓ محوائے کلام اللہ سب مسلمانوں کی ماں ہیں۔ اپنی ماں کی توہین کرنے والا اسلام تو درکنار انسانیت ہی سے خارج ہو جاتا ہے۔

آخر میں فیصلہ قارئین پر چھوڑتا ہوں۔ ان کا جی چاہے سنائی کو دائرۂ انسانیت سے خارج کر دیں، یا پھر ان ہفوات کو کسی دشمن اسلام کی خباثت قلبی کا مظاہرہ یقین کر کے الحاقی قرار دیں۔ میں بذاتِ خود ان اشعار کو الحاقی یقین کرتا ہوں۔

۲) فوائد الفوائد ملفوظات خواجہ نظام الدین اولیاءؒ

منہاج سراج نے اپنی مشہور تاریخ موسومہ طبقات ناصری میں صفحہ ۹۸ پر سلطانہ رضیہ بنت التمش کے عہد حکومت کے واقعات میں لکھا ہے:

> ''۶۳۴ھ میں نور ترک قرمطی نے ملتان سے نقل مکانی کر کے دہلی میں ایک خانقاہ قائم کی۔ اپنے آپ کو صوفی ظاہر کر کے بہت سے مسلمانوں کو اپنا معتقد بنا لیا۔ رفتہ رفتہ گجرات اور سندھ کے بہت سے قرمطی اس خانقاہ میں جمع ہو گئے۔ نور ترک نے اپنی خانقاہ میں وعظ و تلقین و ہدایت کا سلسلہ شروع کیا۔ وہ اپنی تقریروں میں سنی علماء کو ناصبی کہتا تھا اور عوام کو ابو حنیفہؒ کے مذہب سے متنفر کرتا تھا۔ جب عوام پر اس کا مذہبی اقتدار قائم ہو گیا تو ۶ رجب ۶۳۴ھ کو جمعہ کے دن ان قرامطہ نے جامع مسجد میں داخل ہو کر نہتے مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا،

مگر انجام کار شاہی فوج نے ان کو مغلوب کر کے تہ تیغ کر دیا۔''

قاضی منہاج کی یہ شہادت ہم عصرانہ ہے' اس لئے یقینی طور پر صحیح ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ نور ترک ایک قرمطی داعی تھا۔ لیکن شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اپنی تصنیف اخبار الاخیار میں جو اس واقعے کے چار سو برس بعد لکھی گئی' یہ لکھا ہے:

''اگر چہ قاضی منہاج نے طبقات ناصری میں اس شخص کا ذکر اس انداز سے کیا ہے کہ اس سے تشنیع مذہب لازم آتی ہے' مگر فوائد الفوائد میں یہ مذکور ہے کہ شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ اگر چہ بعض علماء نے اس کی مذمت کی ہے مگر وہ ''از آب آسماں پاکیزہ تر بود''۔

فوائد الفوائد کے اس ایک جملے سے نور ترک قرمطی زمانہ مابعد کے صوفیوں کی نظر میں آسمان کے پانی سے بھی پاکیزہ تر بن گیا۔ کیونکہ کسی صوفی میں یہ اَخلاقی جرأت نہیں ہے کہ وہ یہ کہہ سکے کہ یہ فقرہ الحاقی ہے اور کسی قرمطی نے اپنی طرف سے ملفوظاتِ شیخ میں اضافہ کر کے اسے سلطان المشائخ سے منسوب کر دیا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ایک معتبر معاصرانہ شہادت بہر حال لائق تسلیم ہے۔

ملفوظات بہر حال ملفوظات ہی ہیں' انہیں استناد کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔ قاضی منہاج صاف لکھتے ہیں کہ وہ قرمطی تھا اور اس کی خانقاہ میں بہت سے قرمطی سکونت پذیر تھے۔ اس لئے ثابت ہوا کہ وہ آبِ آسمان سے پاکیزہ تر نہیں ہے۔ لہذا یہ جملہ سلطان المشائخ کا نہیں ہے' کسی نے ان سے منسوب کر دیا ہے۔

اب رہی یہ بات کہ ملفوظات کے مجموعے از اوّل تا آخر لائق اعتماد ہیں' ہرگز صحیح نہیں ہے۔ میں اس جگہ صرف ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں۔ مزید مثالیں اپنے موقع پر درج کی جائیں گی۔

سلطان المشائخ نے اپنے مرشد شیخ فرید الدین گنج شکر اجودھنی کے ملفوظات کو راحۃ القلوب کے نام سے مرتب کیا تھا۔ میرے پیش نظر اس کا جو نسخہ ہے وہ ۱۳۰۹ھ میں طبع ہوا تھا۔ اس کے صفحہ ۸۵ پر یہ ''ملفوظ'' درج ہے جس کا اردو ترجمہ میں بقائمی ہوش وحواس ذیل میں نقل کرتا ہوں:

''ایک دن آنحضرت ﷺ باجمیع صحابۂ کبار بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یزید پلید کو اپنے کاندھے پر بٹھائے سامنے سے گزرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے اور کہا ''سبحان اللہ' ایک دوزخی ایک بہشتی (جنتی) کے کاندھے پر سوار ہو کر جا رہا ہے''۔ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے یہ بات سن کر کہا: یا رسول اللہ! یہ تو معاویہ کا بیٹا ہے' دوزخی از کجا است؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''یا علی یہ یزید بدبخت وہ ہے جو حسن اور حسین اور میری تمام آل کو شہید کرے گا''۔ یہ سن کر علیؓ کھڑے ہو گئے۔ تلوار نیام سے نکالی کہ ایشاں را بکشد۔ مگر آنحضرت ﷺ مانع ہوئے کہ: ''اے علی! ایسا مت کر کہ اللہ کی تقدیر یہی فیصلہ کر چکی ہے''۔ یہ سن کر علیؓ رونے لگے اور پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ اُس وقت ہمارے سر پر (زندہ) ہوں گے؟ فرمایا: ''نہیں''۔ پھر پوچھا: یاروں میں سے کوئی زندہ ہوگا؟..... (لفظ پڑھا نہ جا سکا) پھر پوچھا: میں زندہ ہوں گا؟ کہا: ''نہیں''۔ پھر پوچھا: فاطمہ ہوں گی؟ کہا: ''نہیں''۔ پھر پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! میرے غریبوں کا ماتم کون کرے گا؟ جواب دیا: ''میرے امتی''۔ اس کے بعد علیؓ اور رسولِ خدا ﷺ دونوں روئے اور شہزادوں کو سینے سے لگا کر بآواز بلند کہا: اے غریبو! ہم نہیں جانتے کہ اس دشت میں تمہارا کیا حال ہوگا''۔ (انتہیٰ بلفظہ)

تنقید و تبصرہ سے پہلے ناظرین اس بات پر غور کریں کہ اس روایت کا ناقل کون ہے! سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاؒ۔ وہ کس سے نقل کر رہے ہیں؟ اپنے پیر و مرشد شیخ المشائخ حضرت فرید الدین گنج شکرؒ سے۔ اب وہ کون سا چشتی ہوگا جسے ان خرافات کی صحت میں شک ہو سکتا ہے؟ لیکن حقیقت یہی ہے کہ یہ روایت از اوّل تا آخر کذب و افتراء اور بہتان ہے۔ کیونکہ:

(ا) آنحضرت ﷺ کی وفات بلا شک و شبہ ۱۱ھ میں ہو گئی تھی۔

(ب) امیر یزیدؒ کی ولادت ۲۶ھ میں ہوئی تھی۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ افسانہ سراسر جھوٹا ہے۔ کسی سبائی نے یہ لغو اور من گھڑت داستان ملفوظات میں شامل کر دی ہے' تاکہ مسلمان بالعموم اور چشتی افراد بالخصوص اس

شخص کو دوزخی یقین کرلیں جس کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے یہ بشارت دی تھی کہ ''پہلا لشکر جو قیصر روم کے شہر پر حملہ آور ہوگا' مغفور ہے''۔

ظاہر ہے کہ یہ بشارت آپ ﷺ نے وحی الٰہی کی بناء پر دی تھی' اس لئے اس کی صداقت پر کوئی شک نہیں ہے۔ اب سنئے کہ جس لشکر نے سب سے پہلے قیصر کے شہر پر حملہ کیا تھا اس کی قیادت امیر یزید نے کی تھی اور حضرت حسینؓ کے علاوہ بہت سے صحابہؓ نے اسی لئے باشتیاقِ تمام اس جہاد میں شرکت کی تھی کہ حضور انور ﷺ نے مجاہدین کے جنتی ہونے کی بشارت دے دی تھی۔ دیگر صحابہؓ کے ساتھ حضرت حسینؓ نے بھی اسی شخص کی اقتداء میں نمازیں پڑھی تھیں' جسے مسلمان کہلانے والے ''دوزخی'' سمجھتے ہیں۔ کیا خدا کی شان ہے! جسے حضور ﷺ مغفور قرار دیں آپؐ کے نام لیوا اسے ملعون کہتے نہیں تھکتے۔

خیر یہ تو ایک سخن گسترانہ بات تھی۔ میں نے اپنا دعویٰ ثابت کر دیا کہ جو ملفوظات بزرگانِ دین سے منسوب ہیں وہ کلیۃً قابل اعتماد نہیں ہیں۔ ان میں سبائیوں نے جھوٹی روایات اپنی طرف سے داخل کر دی ہیں۔

۳) جامی پر دست درازی

سنائی' عطار اور رومیؒ کے بعد صوفیانہ ادب میں جامی کا نام معروف ترین ہے۔ (۲۲) جیسا کہ ہر طالب علم جانتا ہے جامی سلسلہ عالیہ نقشبندیہ سے وابستہ ہیں' یہ سلسلہ افضل الصحابہؓ بلکہ افضل البشر بعد الانبیاء' وارثِ کمالات نبوت' متمکن ذروۂ ولایت' ثانی اسلام و غار و بدر و قبر خلیفۂ رسول بلافصل' امیر المؤمنین قدوۃ الصدیقین سیدنا و مولانا حضرت ابوبکر الملقب بصدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر منتہی ہوتا ہے۔ جامی نے سب سے پہلے مولانا سعد الدین کاشغری نقشبندیؒ کے ہاتھ پر بیعت کی اور ان کی وفات ۸۶۰ھ کے بعد خواجہ ناصر الدین الملقب بخواجۂ احرار ۸۹۵ھ سے رشتۂ ارادت استوار کیا اور باقاعدہ سلوک طے کر کے وہ مقام حاصل کیا کہ ان کا شمار سلسلہ

---

۲۲) در دلہائے بستہ را کشاید دو بیت از پیر رومی یا ز جامی (اقبال)

نقشبندیہ کے مشائخ میں ہوتا ہے۔ تمام تذکرہ نویسوں نے انہیں اہل سنّت میں شمار کیا ہے۔ انہوں نے اپنی اکثر تصانیف میں خلفاء اربعہ کی مدح کی ہے۔ مثلاً:

یکے ثانی اثنین در کنج غار — کہ چوں مار شد ناوکِ جاں شکار
دوم آنکہ از سکۂ عدلِ اوست — کزیں گونہ دنیا و دین سرخ روست
سوم شرم گیتی کہ شد بے قصور — ز شمع نبوت نصیبش دو نور
چہارم کہ آں ابر در یا نثار — غمِ او کرمؑ برقِ او ذوالفقار

(مثنوی خردنامۂ اسکندری)

وز میانِ ہمہ نبود حقیق — بخلافت کسے بہ از صدیقؓ
وز پئے او نبود ازاں احرار — کس چو فاروقؓ لائقِ ایں کار
بعد فاروقؓ جز بذی النورینؓ — کارِ ملت نیافت زینت و زین
بود بعد از ہمہ بعلم و وفا — اسدؓ اللہ خاتم الخلفاء
لعن کز رافضی شود واقع — شود آں لعن ہم بدو راجع

(سلسلۃ الذہب)

آں چار ستون خانۂ دیں — واں چار چراغِ بزم تمکین
ہر یک بخلافت سزاوار — ہر چار یکے و ہر یکے چار
ایشاں بہ یگانگی بہم راست — بیگانگی از فضول ماخاست

(لیلیٰ مجنوں)

لیکن ان تصریحات کے باوجود بعض لوگوں نے ان کو مائل بہ تشیع قرار دیا ہے اور بعضوں نے ان کو اہل تقیہ میں شمار کیا ہے۔ چنانچہ محمد حسین الحسینی خاتون آبادی لکھتا ہے:

''ان تمام دلائل کے باوجود جو ان کے ناصبی ہونے پر شاہد ہیں، ہم ان کو اہل تقیہ میں شمار کر سکتے ہیں، یعنی وہ دل میں شیعہ تھے مگر زبان وقلم سے اپنے آپ کو سنّی ظاہر کرتے تھے''۔

پھر اپنے مدعا کی تائید میں اس نے یہ حکایت نقل کی ہے جس کا راوی علی بن عبدالعال ہے۔ وہ کہتا ہے:

''میں سفر نجف میں جامی کے ساتھ تھا۔ میں نے تقیہ کر کے اپنے عقائد کو ان سے پوشیدہ رکھا تھا۔ جب ہم بغداد پہنچے تو ایک دن لب دجلہ تفریح کے لئے گئے۔ اتفاقاً ایک قلندر وہاں آ نکلا اور امیر المؤمنین علی علیہ السلام کی شان میں ایک قصیدہ غرا سنانا شروع کیا۔ جامی پر رقت طاری ہوگئی اور سر بسجود ہو گئے' پھر سر اٹھایا' قلندر کو پاس بلایا اور بہت انعام دیا۔ اس کے بعد مجھ سے پوچھا: ''تم نے مجھ سے گریہ اور سجدے کا سبب کیوں نہیں پوچھا؟'' میں نے کہا: ''اس کا سبب آشکار تھا' کیونکہ علی خلیفۂ چہارم ہیں اور ان کی تعظیم واجب ہے''۔ یہ سن کر جامی نے کہا: ''علی خلیفۂ چہارم نہیں ہیں' بلکہ پہلے خلیفہ ہیں۔ اب مناسب ہے کہ میں تقیہ کا لبادہ اتار دوں۔ اور چونکہ ہمارے درمیان مودّت پیدا ہو چکی ہے اس لئے میں تمہیں بتاتا ہوں کہ میں شیعانِ خلص امامیہ میں سے ہوں' لیکن تقیہ کرنا واجب ہے''۔ نیز بعضے از افاضل ثقات نے بیان کیا ہے کہ ہم نے جامی کے خدام سے یہ سنا ہے کہ ان کے تمام اہل بیت مذہب امامیہ رکھتے تھے' لیکن مولانا تقیہ میں بہت مبالغہ فرماتے تھے اور ہمیشہ اپنے اہل و عشیرت کو اس کی وصیت کرتے رہتے تھے''۔

یہ فسانۂ عجائب نقل کرنے کے بعد کلیاتِ جامی کا مقدمہ نگار لکھتا ہے کہ:

''جو کچھ اوپر بیان کیا گیا ہے اس سے تمائل نسبت بشیعہ امامیہ تو ثابت ہوتا ہے لیکن یہ تمام دلائل بہت سست پایہ ہیں' کیونکہ جامی نے صاف لفظوں میں ابو طالب کو کافر قرار دیا ہے''۔

بعضوں نے کہا ہے کہ جامی شروع میں سنّی تھے مگر آخری عمر میں شیعہ ہو گئے تھے۔ مقدمہ نگار (ہاشم رضی) لکھتا ہے کہ ''یہ بات بھی غلط ہے' کیونکہ خردنامہ اسکندری آخری عمر میں لکھی تھی مگر اس میں بھی انہوں نے خلفائے اربعہ کی مدح کی ہے''۔ یہی مقدمہ نگار صفحہ ۱۹۸ پر پھر لکھتا ہے کہ ''چونکہ جامی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مدح میں قصائد لکھے ہیں اور بعض غزلوں میں بھی ان کی توصیف کی ہے اس لئے بعض لوگوں نے انہیں روش امامیہ اور تشیع سے منسوب کر دیا ہے''۔

خلاصۂ کلام ایں کہ جامی کے بارے میں حسبِ ذیل خیالات ظاہر کئے گئے ہیں۔

۱) بعض انہیں سنّی کہتے ہیں اور سنّی بھی نقشبندی۔
۲) بعض نے انہیں مائل بہ تشیع لکھا ہے۔
۳) بعض کا خیال ہے کہ وہ ساری عمر تقیہ فرماتے رہے۔
۴) بعض کا خیال ہے کہ شروع میں سنّی تھے لیکن قبل وفات شیعہ ہو گئے تھے۔

فتنہ پردازوں نے یہ اتہامات اس شخص پر لگائے ہیں جس نے سلسلۃ الذہب میں صاف طور پر لکھا ہے:

بود بو طالب آں تہی ز طلب　　مر نبیؐ را عم و علیؓ را اب
خویش و نزدیک بود با ایشاں　　نسبت دیں نیافت با خویشاں
ہیچ سودے نداشت آں نسبش　　شد مقر در سقر چو بولہبش!

انہی اشعار کی پاداش میں بقول مقدمہ نگار ''شاہ اسماعیل صفوی ہنگام تسخیر بلدۂ ہرات بنا بر تعصب مذہب قبر مولوی را منہدم ساخت'' ص ۱۹۳

اس کے باوجود ارباب کیس نے ان کے مذہبی عقائد کو عامۃ المسلمین کی نظروں میں اور کچھ نہیں تو مشتبہ اور محل بحث و نزاع یقیناً بنا دیا ہے۔

باطل پرستوں نے ایک جھوٹی روایت بھی تصنیف کر دی کہ سفر نجف میں انہوں نے اپنے ہم سفر سے اپنے شیعہ ہونے کا اقرار کیا تھا۔ یہ روایت بالکل لغو اور بے اصل و بے سند ہے۔ مگر یہ طائفہ ضالہ بخوبی واقف ہے کہ عوام نہ تنقید کی صلاحیت رکھتے ہیں اور نہ انہیں تنقید کی فرصت ہوتی ہے۔

جامی کے بارے میں جو کچھ میں نے لکھا ہے یہ سب کلیاتِ جامی کے مقدمے سے ماخوذ ہے جو ہاشم رضا ایرانی نے لکھا ہے (ص ۸۶ تا ۹۶ و ۱۹۱ تا ۱۹۷)

میرا مقصد اس بحث سے یہ واضح کرنا ہے کہ سبائیہ باطنیہ اور دشمنانِ صحابہؓ نے مشہور صوفیوں کے عقائد میں دیدہ و دانستہ ایسے شبہات پیدا کر دیئے ہیں جن سے ان کے عقیدت مندوں کے قلوب میں یہ خیال پیدا ہو جائے کہ وہ یا تو تقیہ کرتے تھے یا مائل بہ تشیع تھے' اور اس طرح انہیں ان کے آبائی مذہب سے برگشتہ کرنا آسان ہو جائے گا۔ (اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ قدرتی طور پر ان کا میلان بھی تشیع کی طرف ہو جائے گا) راقم

الحروف کے استنتاج کی بحث تاریخی شواہد سے پایۂ ثبوت کو پہنچ سکتی ہے۔ پاکستان کے اکثر و بیشتر سنّی بزرگوں کے مزاروں کے سجادہ نشین اور متولی مذہب امامیہ اختیار کر چکے ہیں اور اپنے بزرگوں کے جاہل عقیدت مندوں سے یہ کہتے ہیں کہ یہ حضرات بھی امامیہ مذہب ہی کے پیرو تھے۔ کیا طرفہ تماشا ہے! صاحب مزار سنّی تھا لیکن آج اس کا سجادہ نشین یا متولی شیعہ ہے۔ لاریب یہ اسی طریق کار کا ثمر شیریں ہے جو اس جماعت نے ایک ہزار برس سے اختیار کر رکھا ہے کہ جس طرح ہو سکے صوفیوں کو مسلک امامیہ کا پیرو ثابت کرو تا کہ عوام بھی اپنے پیشواؤں کے مذہب کی طرف مائل ہو سکیں۔

۴) رومی کے دیوان اور ملفوظات میں الحاق

رومی کی مثنوی میں جہاں تک میری معلومات ہیں' سبائیہ اور قرامطہ نے تدسیس نہیں کی لیکن اس کے دیوان میں چند غزلیات اپنی طرف سے ضرور داخل کر دی ہیں اور ان کے ملفوظات میں بھی ایک روایت ایسی درج کر دی ہے جو رومی ہرگز بیان نہیں کر سکتے تھے۔ اس وقت میرے پیش نظر فیہ مافیہ کا انگریزی ترجمہ ہے۔ اس میں صفحہ ۹۹ پر یہ روایت رومی سے منسوب ہے پڑھئے اور سر دھنئے:

> ''نقل ہے کہ ایک شب آنحضرت ﷺ اپنے صحابہؓ کے ساتھ کسی غزوے سے واپس آئے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ ''ببانگ دہل اعلان کر دو کہ آج کی رات ہم شہر کے دروازے کے پاس بسر کریں گے اور کل صبح شہر میں داخل ہوں گے۔'' یہ سن کر صحابہؓ نے سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا ''یہ ہو سکتا ہے کہ تم اپنی بیویوں کو اجنبی لوگوں کے ساتھ مباشرت میں مشغول پاؤ اور یہ دیکھ کر تمہیں بہت صدمہ ہوگا اور ایک ہنگامہ برپا ہو جائے گا''۔ لیکن ایک صحابی نے حضورؐ کے ارشاد پر عمل نہ کیا' وہ اپنے گھر چلے گئے' چنانچہ انہوں نے اپنی بیوی کو ایک غیر مرد کے ساتھ مشغول پایا۔''

اس لغو روایت پر تنقید کرنے کو دل نہیں چاہتا' تاہم دل پر جبر کر کے اتنا لکھنا ضروری ہے کہ یہ روایت کسی سبائی کے خبث باطنی کی مظہر ہے۔ اس نے آنحضرت ﷺ کی نبوت کو بھی ختم کر کے اپنی اسلام دشمنی کا پورا ثبوت بہم پہنچا دیا ہے۔

ا) اگر چہ آنحضرت ﷺ کو بذریعہ علم غیب معلوم ہو چکا تھا کہ صحابہؓ کی بیویاں غیروں سے زنا کرا رہی ہیں اس کے باوجود آپؐ نے چشم پوشی فرمائی اور اس فعل شنیع کو گوارا کرلیا۔ سبحان اللہ! راوی نے رسول اللہ کی سیرت کا کتنا بلند نقشہ کھینچا ہے!

ب) بعض صحابہؓ نافرمان بھی تھے، یعنی رسول اللہ ﷺ مؤمنوں اور منافقوں میں ساری عمر امتیاز نہ کر سکے۔

ج) بعض صحابہؓ کی بیویاں زنا کار تھیں۔

د) رسولؐ کی سیرت اور تعلیم کا صحابہؓ پر کوئی اثر مرتب نہیں تھا۔

ہ) رومی اس قدر غیر محتاط تھے کہ بلا تحقیق لغو اور بے سروپا روایات اپنی مجلسوں میں بیان کرتے رہتے تھے، کیونکہ نہ تو انہوں نے یہ بتایا کہ اس خرافات کا واضع کون ہے اور نہ یہ بتایا کہ وہ غزوہ کون سا تھا؟ اور نہ یہ بتایا کہ یہ روایت انہوں نے حدیث یا سیرت یا مغازی کی کون سی کتاب میں پڑھی تھی۔

غور کیا کہ اس خبیث سبائی نے ایک تیر سے کتنے شکار کئے! طرفہ تماشا یہ ہے کہ یہ روایت جو ہفوات کا بدترین نمونہ ہے، صدیوں سے کتاب میں نقل ہوتی چلی آ رہی ہے، کسی مسلمان کو یہ توفیق نہیں ہوئی کہ اسے جعلی قرار دے کر کتاب سے خارج کر دیتا۔

دراصل یہ نتیجہ ہے شخصیت پرستی اور تقلید کور کا۔ جو کتاب بھی یا جو شعر بھی کسی ولی اللہ یا امام سے منسوب ہو جائے، کسی مسلمان میں اس پر تنقید کی جرأت نہیں ہو سکتی۔ تصوف یا فقہ کا یہی وہ پہلو ہے جس کی وجہ سے رفتہ رفتہ مسلمانوں میں ذوقِ تحقیق ہی ختم ہو گیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی علمی ترقی رک گئی۔ وہ آج بھی اسی مقام پر ہیں جہاں نویں صدی میں تھے۔ ع

نہ اٹھا پھر کوئی رومی عجم کے لالہ زاروں سے!

۵) شیخ محی الدین ابنِ عربیؒ پر ظلم

شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ جیسا کہ فتوحات مکیہ کے مطالعے سے معلوم ہو سکتا ہے، نہایت راسخ العقیدہ اور متبع شریعت بزرگ تھے۔ فتوحاتِ مکیہ کے پہلے باب میں

انہوں نے تین وصل قائم کئے ہیں اور پہلے وصل میں اپنا عقیدہ بیان کیا ہے۔ اسے غور سے پڑھا جائے تو یہ معلوم ہوگا کہ عقائد نسفی کی شرح پڑھ رہے ہیں۔ انہوں نے سرمو اشاعرہ کے مسلک سے انحراف نہیں کیا ہے۔ چونکہ اس تاریخ میں ان کا مفصل تذکرہ لکھوں گا اس لئے اس جگہ صرف اس بات پر اکتفا کرتا ہوں کہ ان کی تصانیف میں بھی سبائیہ اور قرامطہ نے تدسیس کی ہے۔ چنانچہ امام شعرانی اپنی تصنیف ''الیواقیت والجواہر'' صفحہ ۷، مطبوعہ مصر ۱۳۵۱ھ پر لکھتے ہیں:

''حضرت شیخؒ کتاب اور سنّت کے پابند تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص ایک لحظے کے لئے بھی میزانِ شرع کو اپنے ہاتھ سے پھینک دے گا وہ یقیناً ہلاک ہو جائے گا۔ ان کی تصانیف میں جو عبارتیں ظاہر شریعت سے معارض ہیں وہ سب مدسوس ہیں (دوسروں نے داخل کر دی ہیں) مجھے اس حقیقت سے سیّدی ابوالطاہر المغربی نے آگاہ کیا جو اُس وقت مکہ معظمہ میں مقیم تھے۔ انہوں نے مجھے فتوحات کا وہ نسخہ دکھایا جس کا مقابلہ انہوں نے قونیہ میں شیخ اکبر کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخے سے کیا تھا۔ اس نسخے میں وہ فقرے نہیں تھے جو میرے نسخے میں تھے اور میں نے ان فقروں میں توقف (ان کی صحت میں شک) کیا تھا جب میں فتوحات کا اختصار کر رہا تھا۔''

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ:

''ان ملاحدہ اور زنادقہ (قرامطہ وسبائیہ) نے سب سے پہلے امام احمد بن حنبلؒ اور اس کے بعد علامہ مجدالدین فیروز آبادی اور امام غزالی کی تصانیف خصوصاً احیاء العلوم میں تدسیس کی ہے۔''

اس کے بعد لکھتے ہیں:

''اس فرقہ باطنیہ کی جسارت کا یہ عالم ہے کہ اس فرقے کے ایک شخص نے ایک کتاب لکھ کر میری طرف منسوب کر دی اور تین سال تک یہ کتاب میری زندگی میں متداول رہی۔''

پھر لکھتے ہیں کہ:

زنادقہ نے امام احمد بن حنبلؒ کے مرض الموت کے زمانے میں ایک کتاب جس

میں اپنے باطنی عقائد بیان کئے تھے' پوشیدہ طور پر (ان کا شاگرد بن کر) ان کے سرہانے (تکیے) کے نیچے رکھ دی تھی۔ اور اگر امام مرحوم کے تلامذہ ان کے عقائد سے بخوبی واقف نہ ہوتے تو جو کچھ انہوں نے مرحوم کے تکیے کے نیچے پایا تھا' اس کی وجہ سے وہ لوگ بہت بڑے فتنے میں مبتلا ہو جاتے۔''

۶) بعض دوسری مثالیں

سبائیہ اور قرامطہ نے صوفیوں کی تصانیف میں تدسیس کے علاوہ اپنی تصانیف نظم ونثر میں ان میں سے بعض کو اپنی جماعت کا فرد ظاہر کر کے اہل سنت کی نگاہوں میں ان کی دینی حیثیت کو مشکوک اور محل نظر بنا دیا۔ بخوف طوالت صرف ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں۔

خواجہ عبداللہ انصاری ہروی جو منازل السائرین کے مؤلف ہیں' پانچویں صدی کے مشاہیر صوفیوں میں سے ہیں۔ لیکن ایک اسمٰعیلی شاعر نے اپنے دیوان میں ان کی مدح کی ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ادارۂ نشریات اسمٰعیلیہ بمبئی نے غالباً ۱۹۳۵ء میں خاکی خراسانی اسمٰعیلی کا دیوان شائع کیا تھا جسے پروفیسر آئی وینانف (Ivanow) نے مرتب کیا ہے۔ پروفیسر مذکور اپنے مقدمے میں لکھتا ہے:

''اگرچہ اسمٰعیلی دعاۃ کو بہت ستایا گیا مگر ان کی دعوت کا تصوف پر بہت اثر مرتب ہوا اور تصوف عرصہ دراز تک ان کے خیالات سے فیض یاب ہوتا رہا۔''

اس کی وجہ یہ ہے کہ اسمٰعیلی دعاۃ نے اپنے خیالات کی اشاعت کے لئے تصوف کو آلۂ کار بنایا' یعنی صوفیوں کے لباس میں اپنے عقائد کی اشاعت کی۔ اب میں خاکی کے دو شعر نقل کرتا ہوں۔ ع

طوطی ام شہ مرا بود مرأت　　شکرم از دکانِ عطار است
ژندہ پیل احمد است قبلۂ ما　　خواجہ عبداللہ کہ ز انصار است

ان دو شعروں سے تینوں صوفیوں کی مذہبی حیثیت مشکوک ہو گئی۔ اب دو ہی صورتیں ممکن ہیں۔ یا تو عطار احمد' ژندہ پیل اور عبداللہ انصاری یہ تینوں دراصل باطنی تھے' جنہوں نے سنّی بن کر مسلمانوں کو گمراہ کیا یا خاکی نے ان کی حیثیت کو مشتبہ کرنے کی

غرض سے اپنا ممدوح اور زندہ پیل کو اپنا قبلہ بنالیا۔

پروفیسر مذکور اپنے ایک مضمون میں جو رائل ایشیاٹک سوسائٹی شاخ بمبئی کے جرنل ۱۹۳۲ء میں شائع ہوا تھا' صفحہ ۶۹ پر لکھا ہے:

''اسمٰعیلیہ نے اپنے شیعی تصوف کی خصوصیات کو بہرحال برقرار رکھا۔ انہوں نے ادبیاتِ تصوف کا بڑے ذوق سے مطالعہ کیا مگر اس کی شرح اپنے مخصوص عقائد کی روشنی میں لکھی۔''

یعنی باطنیہ نے سنّی صوفیہ کی تصانیف کی شرح اپنے زاویہ نگاہ سے لکھ کر اہل سنّت کو ورطۂ ضلالت میں غرق کر دیا۔ ان تصریحات سے میرا دعویٰ پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا کہ باطنیہ اور قرامطہ اور اسمٰعیلیہ حضرات نے تصوف کا لبادہ اوڑھ کر اپنے عقائد مسلمانوں میں شائع کر دیئے۔ چونکہ بعد میں آنے والے صوفیوں نے اسلاف پر تنقید کو سوءادب سمجھا اس لئے قرامطہ کے عقائد کو من وعن صحیح تسلیم کر لیا اور رفتہ رفتہ ان (باطنیہ) کے ہم عقیدہ بن گئے۔

اس طرح غیر اسلامی عقائد چوتھی صدی ہجری سے مسلمانوں میں مقبول ہو گئے۔ چنانچہ ابونصر سراج اپنی تصنیف کتاب اللمع میں لکھتے ہیں:

''بغداد کے بعض صوفیہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جب سالک کی ذاتی صفات فنا ہو جاتی ہیں تو وہ صفاتِ ایزدی میں داخل ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ عقیدہ صحیح نہیں ہے' کیونکہ اس سے حلول کا دروازہ کھل جاتا ہے اور یہ عقیدہ کفر ہے۔''

شمس الدین افلاکی نے جو چلپی عارف کے مرید اور رومی کے ہم نشین تھے' ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام مناقب العارفین ہے۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ احمدی پریس رامپور (یوپی) سے ۱۹۲۱ء میں شائع ہوا تھا۔ اس کتاب سے دو قصّے نقل کرتا ہوں جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے طلسم ہوشربا سے بھی بڑھ کر ہیں۔ پڑھئے اور دشمنانِ اسلام کی چیرہ دستی کا ماتم کیجئے!

صفحہ ۲۴۱ پر لکھتا ہے:

:''ایک دن کرا خاتون زوجہ مولانا رومی کے دل میں خیال آیا کہ مولانا ایک

عرصے سے میری جانب ملتفت نہیں ہیں' خدا معلوم شہوانی جذبات باقی ہیں یا بالکل فنا ہو گئے ہیں (مولانا کو بذریعۂ کشف اُن کا یہ خیال معلوم ہو گیا) رات کو مولانا ان کے پاس گئے۔ جذباتِ شہوانی کا یہ عالم تھا کہ کراخاتون پریشان ہو کر استغفار پڑھنے لگیں۔ مولانا نے ستر بار جماع کیا' پھر فرمایا ''مردانِ خدا ہر شے پر قادر ہیں۔ ترک یا قلت مباشرت کا باعث استغراق ہے۔''

اس کے بعد جو روایت درج ہے اسے پڑھنے سے پہلے کلیجے کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیجئے' مبادا شق ہو جائے۔

''پھر فرمایا کہ آنحضرت ﷺ اور ان کی ایک زوجہ میں بھی یہی معاملہ ہوا تھا۔ ایک دن انہوں نے ایک چڑے کو چڑیا کے ساتھ جفت ہوتے دیکھ کر بطور مطائبہ آپ سے کچھ کہا۔ چنانچہ بوقت شب آپ نے ان سے نوے بار قربت فرمائی۔ اس کے بعد فرمایا: ''ہم نے خود لذاتِ دنیا کو ترک کر دیا ہے' ورنہ یہاں کچھ کمی نہیں ہے۔''

صفحہ ۲۵۹ پر یہ روایت درج ہے:

''مولانا رومی نے فرمایا کہ ایک دن آنحضرت ﷺ نے کچھ اسرار حضرت علیؓ کو خلوت میں تعلیم فرمائے اور وصیت کی کہ نامحرم سے بیان نہ کرنا۔ حضرت علیؓ نے چالیس روز تک ضبط کیا۔ اس کے بعد ان کا پیٹ حاملہ عورت کی طرح پھول گیا۔ مجبوراً صحرا میں جا کر ایک کنویں میں منہ لٹکایا اور سب اسرار بیان کر دیئے۔ چند روز کے بعد اس کنویں سے نے کا ایک درخت نکلا۔ ایک چرواہے نے اس سے نے (بانسری) بنائی۔ اتفاقاً آنحضرت ﷺ نے اس نے کی آواز سنی تو اسے بلایا اور سن کر فرمایا: ''اس نے سے ان اسرار کی شرح نمایاں ہے جو ہم نے حضرت علیؓ کو تلقین کئے تھے۔''

میرا خیال ہے کہ یہ قصے محتاجِ تنقید نہیں ہیں۔ ان کی لغویت خود شاہد ہے کہ انہیں کسی دشمنِ اسلام نے مناقب العارفین میں داخل کر دیا ہے۔

امام شعرانی کی تصنیف الطبقات الکبریٰ کے اردو ترجمے میں صفحہ ۴۶۸ پر یہ روایت درج ہے:

''بضمن ظاہر و باطن عارف علی ابن ابی طالب اسی طرح اٹھائے گئے ہیں جس طرح عیسیٰ اور عیسیٰ کی طرح عنقریب نازل ہوں گے'' میں (استاد سیّد علی فرزند سیّد محمد وفا) کہتا ہوں کہ سید علی خواص بھی اس کے قائل تھے۔ چنانچہ میں نے ان کو کہتے سنا کہ نوح نے کشتی میں سے ایک تختہ علی کے نام اٹھا کر رکھا (نوح کو خدا نے بتا دیا تھا) وہ تختہ محفوظ رہا۔ چنانچہ علی اسی تختے پر اٹھائے گئے۔ واللہ اعلم بالصواب۔''

اس روایت کا مضمون خود بتا رہا ہے کہ یہ کسی ایسے شخص کی موضوعہ ہے جو حضرت علیؓ کے رفع سماوی کا عقیدہ رکھتا تھا اور تاریخ سے ثابت ہے کہ یہ عقیدہ سب سے پہلے عبداللہ بن سبا نے شائع کیا تھا۔

ان دشمنانِ اسلام نے صرف تصوف ہی کی کتابوں میں تدسیس نہیں کی بلکہ اہل سنّت کی کتب احادیث اور کتب عقائد میں بھی اپنے مزعومات اس طرح شامل کر دیئے کہ مرور ایام سے وہ اوہامِ باطلہ اہل سنّت کے عقائد بن گئے۔ چنانچہ شرح عقائد نسفی مصنفہ علامہ سعد الدین تفتازانی سے ایک مثال ذیل میں درج کرتا ہوں۔ یہ کتاب آج بھی تمام عربی مدارس میں داخل نصاب ہے اور نہایت مستند تسلیم کی جاتی ہے۔

واضح ہو کہ اہل سنّت کے امام فی العقائد ابوحفص نجم الدین النسفی الماتریدی متوفی ۵۳۷ھ نے علم عقائد میں ایک متن لکھا تھا جس کا نام ہے ''عقائد النسفی'' علامہ تفتازانی متوفی ۷۹۱ھ نے اس کی شرح لکھی ہے جس کا نام ہے شرح عقائد نسفی' جو تمام دینی مدارس میں داخل نصاب ہے۔ امام نسفی نے اس متن میں لکھا ہے:

''صحابہ رضی اللہ عنہم کو ہمیشہ صرف کلماتِ خیر ہی سے یاد کرنا چاہئے''۔

علامہ اس کی شرح کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

''بہر کیف یزید بن معاویہؓ کے بارے میں علماء نے آپس میں اختلاف کیا ہے (کہ ان پر لعنت کرنا جائز ہے یا نہیں) چنانچہ الخلاصہ (۲۳) میں اور دوسری کتابوں میں بالصراحت مرقوم ہے کہ یزید یا حجاج پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ان لوگوں پر لعنت کرنے سے

---

۲۳) اس سے غالباً کتاب خلاصۃ الاحکام مصنفہ امام نووی مراد ہے۔

منع فرمایا ہے جو نماز پڑھتے ہوں اور جن کا شمار اہل قبلہ میں سے ہو۔ بعضوں نے اس وجہ سے یزید پر لعنت کو جائز سمجھا ہے کہ جب اس نے الحسینؓ کے قتل کا حکم دیا تو وہ کافر ہو گیا۔ ان لوگوں نے ان پر بھی لعنت کرنے کو جائز قرار دیا جنہوں نے الحسینؓ کو قتل کیا' یا اس کا حکم دیا یا اس کی اجازت دی یا اس پر اپنی رضا کا اظہار کیا''۔

اختلاف کا تذکرہ کرنے کے بعد شارح اپنی رائے ان الفاظ میں لکھتا ہے:

''حقیقت یہ ہے کہ یزید کا قتل الحسینؓ پر رضا مندی کا اظہار اور قتل پر اپنی خوشی کا اظہار اور نبیؐ کے خاندان کی توہین' یہ ایسی باتیں ہیں جو تواتر سے ثابت ہیں' اس لئے ہم اس پر لعنت کے بارے میں بالکل تامل نہیں کرتے' بلکہ ہم کو اس کے عقائد کے بارے میں بھی فیصلہ کرنے میں کوئی توقف نہیں ہے (یعنی ہم اسے کافر یقین کرتے ہیں) اس لئے اس پر اور اس کے اعوان و انصار سب پر خدا کی لعنت ہو۔''

میری رائے میں یہ فقرہ جو ''حقیقت یہ ہے'' سے شروع ہو کر لعنت پر ختم ہوتا ہے' علامہ موصوف کا تحریر کردہ نہیں ہے' بلکہ کسی سبائی نے اپنی طرف سے شامل کر دیا ہے۔ قرینہ اس پر یہ ہے کہ لعنت کے جواز پر جو تین وجوہ بیان کی گئی ہیں وہ تینوں غلط اور جھوٹی ہیں' کیونکہ تاریخی طور پر ثابت نہیں ہو سکتیں۔ میں اپنے دعوے کے ثبوت میں تاریخ ابن الاثیر المتوفی ۶۳۰ھ' جلد سوم' مطبوعہ ۱۳۵۶ھ' صفحہ ۲۹۹' ۳۰۰ سے ضروری تصریحات پیش کرتا ہوں۔

(ا) یزید نے (حسینؓ کے سر کو دیکھ کر) کہا: ''خدا کی قسم! اگر میں (کربلا میں) تیرے ساتھ ہوتا تو میں تجھے قتل نہ کرتا۔

(ب) کوئی عورت آلِ یزید میں سے ایسی باقی نہ رہی جس نے (اس واقعہ پر) ماتم نہ کیا ہو۔

(ج) یزید نے حکم دیا کہ علی بن حسینؓ اور اس کے خاندان کی عورتوں کو علیحدہ مکان میں ٹھہرایا جائے' اور یزید نہ صبح کا کھانا کھاتا تھا نہ رات کا جب تک علی بن حسینؓ کو اپنے ساتھ شریک طعام نہ کر لیتا تھا۔

د) یزید نے کہا میں تو حسینؓ کو اپنے گھر میں اپنے ساتھ رکھتا اور جو وہ چاہتا اسی کا حکم دیتا' خواہ اس سے میری سلطانی کو ضعف ہی کیوں نہ پہنچتا' اور میں یہ طرزِ عمل اس قرابت کی بناء پر کرتا جو اسے رسول اللہ ﷺ سے حاصل تھی۔

ہ) اللہ لعنت کرے ابن مرجانہ پر اور اپنا غضب نازل کرے اس پر۔

و) اور جب یزید نے ارادہ کیا کہ ان کو مدینے بھیجے تو نعمان بن بشیر کو حکم دیا کہ ضروری سامانِ سفر مہیا کیا جائے اور ایک امین آدمی اہل شام میں سے مع فوج ان کے ساتھ کرے۔

ز) بوقت رخصت یزید نے علی کو بلایا اور کہا ''اللہ لعنت کرے ابن مرجانہ پر! قسم خدا کی! اگر میں اس کے ساتھ ہوتا جو وہ طلب کرتا اسے دیتا اور اس سے اس کی مصیبت کو دور کرتا' خواہ اس میں میرا کوئی بیٹا ہی کیوں نہ کام آ جاتا۔ لیکن اللہ کا فیصلہ یہی تھا جو تُو نے دیکھا۔ اے بیٹے! جب تجھے کوئی حاجت درپیش ہو تو مجھے لکھنا۔

ح) جب قافلہ مدینہ پہنچا تو فاطمہ بنت علی نے اپنی بہن زینب سے کہا: ''اس شخص نے (جو قافلے کا انچارج تھا) ہمارے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا ہے۔ کیا تیرے پاس کچھ ہے جو اسے دیا جائے؟'' زینب نے کہا: ''ہمارے پاس زیورات کے سوا اور کیا ہے؟'' پس دونوں نے اپنے سوارین اور دملحین اتارے اور اس کے پاس بھیجے' لیکن اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں نے یہ حسنِ سلوک رسول اللہ ﷺ سے تمہاری قرابت کی بناء پر کیا ہے۔''

میں نے احتیاطاً ابن اثیر کی عربی عبارت کا ٹھیٹھ لفظی ترجمہ کر دیا ہے۔ اب قارئین خود فیصلہ کر لیں کہ ان تصریحات سے وجوہِ لعن و تکفیر میں سے کوئی ایک وجہ بھی ثابت نہیں ہوتی۔ ابن اثیر کے علاوہ کسی مستند تاریخ سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ امیر یزیدؒ نے قتلِ حسینؓ کا حکم دیا تھا' یا قتل کی اطلاع پر چراغاں کیا تھا' یا جشنِ مسرت منعقد کیا تھا یا خواتین کی بے حرمتی کی تھی۔

اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یہ آخری فقرہ علامہ تفتازانی کے قلم سے نکلا ہے تو وہ

دوسرے لفظوں میں علامہ کو تاریخ اسلام سے ناواقف ثابت کر رہا ہے۔ علامہ تفتازانی نے ۷۹۱ھ میں وفات پائی۔ اس لئے انہوں نے تاریخ طبری' مصنفہ طبری المتوفی ۳۱۰ھ اور تاریخ الکامل' مصنفہ ابن اثیر متوفی ۶۳۰ھ اور البدایہ والنہایہ' مصنفہ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ ضرور پڑھی ہوگی۔ اب عقلاً صرف دو صورتیں ممکن ہیں۔

۱) یا تو علامہ تفتازانی کو ایک جاہل شخص تسلیم کر لیا جائے۔

۲) یا پھر اس عبارت کو اُن سے منسوب کرنے کی بجائے کسی جاہل سبائی کی تدسیس قرار دیا جائے۔

اس کے علاوہ اس عبارت کے الحاقی ہونے پر ایک داخلی شہادت بھی پیش کرتا ہوں۔

شرح عقائد نسفی کا جو نسخہ میرے پیش نظر ہے وہ ۱۳۲۹ھ میں مطبع مجتبائی دہلی سے شائع ہوا تھا۔ اس نسخے میں ہر جگہ حضرت حسینؓ کے نام کے آگے "ؓ" لکھا ہوا ہے' جیسا کہ اہل سنّت کا مسلمہ دستور ہے۔ مگر اِس عبارت میں لفظ حسین کے اوپر "ؓ" بنا ہوا ہے۔ قدرتی طور پر سوال پیدا ہوگا کہ جب چار سطور پہلے "ؓ" بنا ہوا ہے تو یہاں اس فقرے میں "ؓ" کیوں بنا ہوا ہے۔ اس کا ایک ہی جواب ہوسکتا ہے اور وہ یہ کہ یہ فقرہ کسی ایسے شخص نے اپنی طرف سے داخل کتاب کیا ہے جو حضرت حسینؓ کو انبیاء کا ہم پلہ یقین کرتا ہے' یعنی طائفہ سبائیہ سے تعلق رکھتا ہے۔ آئندہ کاتبوں نے نقل مطابق اصل کے قاعدے کی پابندی کی حتیٰ کہ یہ شاہد تدسیس ہمارے زمانے کی مطبوعہ کتابوں میں بھی بجنسہ موجود ہے اور زبانِ حال سے کہہ رہا ہے کہ مجھے کسی ایسے شخص نے لکھا ہے جو شارحِ کتاب علامہ تفتازانی کا ہم خیال اور ہم عقیدہ نہیں تھا۔

اب ایک مثال سیرۃ النبیؐ سے درج کرتا ہوں۔

سیرۃ النبیؐ کی کتابوں میں ابن اسحٰق کی سیرۃ غالباً قدیم ترین ہے۔ یہ شخص مدینہ میں ۸۵ھ میں پیدا ہوا تھا اور بغداد میں ۱۵۱ھ میں فوت ہوا۔ عقائد کے لحاظ سے شیعہ تھا۔ اس کی تصنیف موسومہ سیرۃ رسولؐ کو ابن ہشام نے ایڈٹ (مرتب) کیا جو بصرے میں پیدا ہوا تھا اور ۲۱۸ھ میں فسطاط (مصر) میں فوت ہوا۔ ابن اسحٰق کی سیرت آج کل سیرتِ ابن ہشام کے نام سے معروف ہے۔ ابن اسحٰق غزوۂ خیبر کے سلسلے میں

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''کل جھنڈا اس کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو دوست رکھتا ہے۔ اللہ اس کے ذریعے سے فتح عطا کرے گا' وہ بھاگنے والا نہیں ہے''۔ چنانچہ دوسرے دن آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو بلایا جو آشوبِ چشم میں مبتلا تھے۔ آنحضرت ﷺ نے اپنا لعابِ دہن لگا دیا (آنکھیں اچھی ہوگئیں) اور جھنڈا دے کر فرمایا: ''اسے لے کر جاؤ یہاں تک کہ اللہ تمہارے ذریعے سے فتح عنایت کرے''۔ چنانچہ علیؓ بعجلت تمام قلعے کے نزدیک پہنچے اور پتھروں کے ڈھیر میں جھنڈا گاڑ دیا۔ قلعے کی چوٹی سے ایک یہودی نے انہیں دیکھ کر نام پوچھا۔ جب انہوں نے اپنا نام بتایا تو اس نے کچھ اس قسم کے الفاظ کہے کہ موسیٰ کی دعا کے مطابق تم کامیاب ہو گئے' یا وہ الفاظ کہے جن کا مطلب یہ تھا کہ حضرت علیؓ واپس نہیں آئے جب تک اللہ نے انہیں فتح عطا نہیں کر دی''۔

۹) عبداللہ بن الحسن نے مجھ (ابن اسحٰق) سے کہا کہ میرے خاندان کے ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ میں نے ابورافع (آنحضرت ﷺ کے آزاد کردہ غلام) سے سنا کہ ''جب آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو اپنا جھنڈا دے کر بھیجا اور وہ قلعے کے نزدیک پہنچے تو اس کے محافظ باہر نکلے اور حضرت علیؓ نے ان سے جنگ کی۔ ایک یہودی نے ان پر حملہ کیا جس سے ان کی ڈھال ان کے ہاتھ سے چھوٹ گئی' اس لئے حضرت علیؓ نے جلدی سے دوڑ کر ایک در (کواڑ) اٹھا لیا جو قلعے کے پاس پڑا تھا اور اس سے ڈھال کا کام لیا۔ جب فتح حاصل ہوگئی تو اسے پھینک دیا۔ میں نے اس دروازہ (کواڑ) کو سات آدمیوں کے ساتھ مل کر اٹھانے کی کوشش کی مگر ہم اسے نہ اٹھا سکے''۔ (مقتبس از انگریزی ترجمہ 'سیرۃ ابن اسحٰق' موسومہ سیرت رسول اللہ ﷺ صفحات ۵۱۲ تا ۵۱۴' مطبوعہ لندن ۱۹۵۵ء)

یہ اقتباسات ابن اسحٰق یعنی ایک شیعہ مصنف کی کتاب سے پیش کئے گئے ہیں جو اس قدر راسخ العقیدہ تھا کہ اس نے اپنی اس تصنیف میں حضرت ابان بن حضرت عثمانؓ بن عفان کی تصنیف کتاب المغازی سے جو اس موضوع پر اوّلین تصنیف ہے' اپنی تصنیف میں ان سے کوئی روایت قبول نہیں کی ہے اور نہ اُن کا تذکرہ کیا ہے' محض اس لئے کہ حضرت ابان دامادِ رسول ﷺ' خلیفۂ راشد' امامِ مظلوم حضرت عثمان شہید فی

سبیل اللہ کے بیٹے تھے (اللہ اکبر کس قدر احتیاط ملحوظ رکھی) بہر حال ان اقتباسات سے حسب ذیل حقائق اظہر من الشمس ہیں۔

۱) مرحب کو حضرت علیؓ نے قتل نہیں کیا بلکہ حضرت محمد بن مسلمہؓ نے قتل کیا۔

۲) حضرت علیؓ نے خیبر کے قلعوں میں سے ایک قلعہ فتح کیا تھا۔

۳) عبداللہ بن الحسن والی روایت جس کی رو سے حضرت علیؓ نے کواڑ سے ڈھال کا کام لیا' نہ اصولِ روایت کے اعتبار سے قابل اعتبار ہے اور نہ اصولِ درایت کے لحاظ سے لائق قبول ہے۔ اصولِ روایت کی رو سے اس لئے نہیں کہ عبداللہ بن الحسنؒ نے یہ نہیں بتایا کہ یہ داستان میں نے کس سے سنی۔ تمام محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جس روایت کے راویوں میں سے کوئی راوی مجہول الاسم ہو' یعنی اس کا نام معلوم نہ ہو تو وہ روایت قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ اور اصولِ درایت کی رو سے اس لئے نہیں کہ جب حضرت علیؓ کے ہاتھ سے ڈھال گر پڑی تو عقل یہ کہتی ہے کہ انہیں دوڑ کر اپنی ڈھال اٹھا لینی چاہئے تھی نہ یہ کہ وہ ڈھال کو چھوڑ کر اس کواڑ کو اٹھانے جاتے جو قلعے کے پاس پڑا ہوا تھا۔ یہ بات اس وقت قابل قبول ہوتی جب راوی یہ واضح کر دیتا کہ ڈھال بہت دور مثلاً پچاس قدم پر تھی اور دروازہ یا کواڑ بہت نزدیک تھا۔ علاوہ بریں دنیا میں آج تک کوئی دروازہ یا کواڑ ایسا نہیں بنایا گیا جو ڈھال کا کام دے سکے۔ ڈھال اور دروازے میں دور کی مناسبت بھی نہیں ہے۔

۴) مرحب سے حضرت علیؓ کی جنگ کا افسانہ دوسری صدی میں یعنی ابن اسحٰق کی زندگی میں وضع نہیں کیا گیا' ورنہ ابن اسحٰق جس نے دروازے کا افسانہ درج کر دیا' اس افسانے کو یقیناً زینتِ کتاب بناتا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ مرحب سے حضرت علیؓ کی جنگ کا افسانہ تیسری صدی میں وضع کیا گیا اور جس طرح بہت سی غلط روایات سبائیوں کی تدسیس سے اہل سنّت کی کتابوں میں راہ پا گئیں یہ افسانہ بھی ان کی کتابوں میں جگہ پا گیا۔ فی الجملہ سیرۃ کی قدیم ترین کتاب کی رو سے بالکل واضح ہے کہ مرحب کو محمد بن مسلمہؓ نے قتل کیا تھا لیکن افسانہ طرازوں نے مرحب اور حضرت علیؓ کے مابین فرضی قتال کو جس رنگ آمیزی کے ساتھ پیش کیا ہے اس کی تفصیل کے لئے میں البدایہ والنہایہ'

مؤلفہ امام ابن کثیر دمشقی المتوفی ۷۷۴ھ سے ضروری اقتباسات ذیل میں درج کرتا ہوں:

۱) حافظ البزار نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ یومِ خیبر میں پہلے ابوبکرؓ اور پھر عمرؓ کے بھیجنے اور اس کے بعد علیؓ کے ہاتھ پر فتح ہونے کا جو قصّہ ہے اس کے سیاق میں غرابت اور نکارت ہے اور اس کی اسناد میں ایک شخص ایسا بھی ہے جو متہم باتشیع ہے۔

۲) روایت کی موسیٰ بن عقبہ نے زہری سے کہ تحقیق جس نے قتل کیا مرحب کو وہ محمد بن مسلمہؓ تھے۔ اور یہی کہا ہے محمد بن اسحٰق نے بروایت جابر بن عبداللہ کہ نکلا مرحب الیہودی خیبر کے قلعے سے یہ رجز پڑھتا ہوا ''قد علمت خیبر انی مرحب'' تو آنحضرت ﷺ نے کہا: ''اس کا مقابلہ کون کرے گا؟'' محمد بن مسلمہ نے کہا ''میں کروں گا'' فضربه محمد ابن مسلمه حتى قتله. پس تلوار ماری ابن مسلمہ نے یہاں تک کہ قتل کر دیا اس کو (یعنی مرحب کو)۔ صفحہ ۱۸۹ ج ۴

۳) کہا یونس نے ابن اسحٰق سے کہ روایت ہے کہ مجھ سے کہا میرے خاندان کے ایک شخص نے کہ اس نے سنا تھا رافع مولیٰ رسول اللہ ﷺ سے کہ ہم نکلے علیؓ کے ساتھ جب بھیجا ان کو رسول اللہ ﷺ نے اپنا جھنڈا دے کر۔ جب ہم قلعے کے پاس پہنچے تو اہل قلعہ مقابلہ کے لئے نکلے۔ ایک یہودی کی ضرب سے علیؓ کی ڈھال ان کے ہاتھ سے گر پڑی تو قلعے کے دروازے کو ڈھال بنایا یہاں تک کہ قلعہ فتح ہو گیا..... میرے ساتھ سات آدمی اور تھے میں آٹھواں تھا، مگر ہم سے دروازہ پلٹا نہ جا سکا''۔

اس افسانے پر ابن کثیر نے یہ تنقید کی ہے و فی هذا الخبر جهالة و انقطاع ظاهر یعنی اس روایت میں جہالت بھی ہے اور انقطاع ظاہر بھی ہے (یعنی بیچ کا راوی غائب ہے)۔ پھر لکھتے ہیں:

۴) حاکم اور بیہقی کی روایت میں ہے کہ اس دروازے کو چالیس آدمی بھی مل کر نہ اٹھا

سکے۔ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یہ روایت بھی ضعیف (نا قابل اعتبار) ہے۔

۵) جابر سے روایت ہے کہ ستر آدمیوں نے اٹھانے کی کوشش کی تھی (۲۴)۔ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یہ روایت بھی ضعیف (نا قابل اعتماد) ہے۔(ج ۴' ص ۱۹۰)

۶) الواقدی نے بھی جابر سے یہی روایت کی ہے کہ مرحب کو محمد بن مسلمہؓ نے قتل کیا تھا۔(ج ۴' ص ۱۸۹)

اختصار بقدر ضرورت از البدایہ والنہایہ ابن کثیر' جلد چہارم' صفحات ۱۸۷ تا ۱۹۰' مطبوعہ مصر ۱۹۳۲ء

بخوفِ طوالت میں ان موضوع روایتوں کو نقل نہیں کر سکتا جن میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مرحب کو حضرت علیؓ نے قتل کیا تھا۔ میرا مقصد صرف یہ ثابت کرنا تھا کہ مرحب کو محمد بن مسلمہؓ نے قتل کیا تھا نہ کہ حضرت علیؓ نے۔ الحمدللہ کہ میں نے اس بات کو بخوبی یعنی ابن اسحٰق کی گواہی سے ثابت کر دیا جو شیعہ تھا۔ لہٰذا وہ تمام افسانے جو مرحب اور حضرت علیؓ کی اس فرضی جنگ کے سلسلے میں تصنیف کئے گئے ہیں خود بخود باطل اور بے اصل و بے بنیاد قرار پاتے ہیں۔ یہ روایتیں جیسا کہ محدثین اور محققین مثلاً علامہ سخاوی نے لکھا ہے' سراسر لغو ہیں۔(سیرۃ النبی' شبلی نعمانی' جلد اول' ص ۴۸۸)

چونکہ میں تصوف کی تاریخ لکھ رہا ہوں نہ کہ تدسیس سبائیہ و باطنیہ کی تاریخ' اس لئے انہی چند مثالوں پر اکتفا کرتا ہوں۔ اس کے بعد اہل سنّت صوفیوں کی تصانیف سے ایسے اقوال پیش کروں گا جو اہل سنّت کے معتقدات کے خلاف ہیں' لیکن ان صوفیوں نے سبائیت اور باطنیت سے متاثر ہو کر ان کو قبول کر لیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ خود بھی گمراہ ہو گئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کر دیا۔

ان صوفیوں کی کمزوری یہ تھی کہ یہ لوگ نہ محدث تھے نہ مؤرخ تھے۔ اس پر مستزاد یہ امر ہوا کہ ان لوگوں کے نزدیک تحقیق و تدقیق و تنقیدی۔ یہ سب باتیں سوءِ ادب میں داخل ہو گئی تھیں۔ جنیدؒ کا تصوف یہ تھا کہ ''ہم ہر بات کو قرآن و سنّت کی کسوٹی پر آزما کر دیکھیں گے' اگر کوئی بات کتاب و سنّت کے خلاف ہوگی۔ **فھو مردود**'' خواہ وہ

---

۲۴) خدا کا شکر ہے کہ ستر کے مبارک عدد پر حاملین باب خیبر کی تعداد کا اختتام ہو گیا۔ واضح ہو کہ سات' چالیس اور ستر کا شدید اختلاف کسی وضاحت کا محتاج نہیں ہے۔

کسی کی زبان سے نکلی ہو۔ لیکن نویں صدی ہجری میں باطنیہ کی مساعی قبیحہ سے سنّی صوفیوں کی ذہنیت یہ ہوگئی تھی کہ وہ قول کے حسن و قبح کے بجائے قائل کو دیکھنے لگے تھے۔ مثلاً ایک روایت خواہ کتنی ہی خلاف عقل و نقل کیوں نہ ہو اگر وہ کسی بزرگ سے منسوب ہے تو محض اس سے نسبت کی وجہ سے قابل اعتماد قرار پا جائے گی اور اس میں تحقیق یا اس پر تنقید کو سوء ادب سمجھا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اہل سنّت کی کتابوں میں صدیوں سے غلط روایات نقل ہوتی چلی آ رہی ہیں اور آج کسی میں یہ اَخلاقی ہمت نہیں ہے کہ انہیں غلط کہہ کر اپنی مرجعیت اور مقبولیت سے دست بردار ہو جائے۔

باطنیت

گمراہی کے دروازوں میں سب سے زیادہ خطرناک اور مضرت رساں دروازہ جو باطنیہ نے کھولا وہ یہ تھا کہ ہر لفظ کے ایک ظاہری معنی ہوتے ہیں اور ایک حقیقی یا باطنی۔ انہوں نے الفاظ کے اس باطنی پہلو پر اس قدر زور دیا کہ ان کا اصلی نام اسمٰعیلیہ غیر معروف ہو گیا اور وہ باطنیہ کے نام سے مشہور ہو گئے۔ بہرکیف انہوں نے کہا کہ اسی طرح قرآن وحدیث کے الفاظ کے بھی دو معنی ہیں' ایک ظاہری دوسرے باطنی' اور ان کو آپس میں وہی نسبت ہے جو پوست (ظاہر) کو مغز سے ہے' جہلاء صرف ظواہر (ظاہری معنی) سے آگاہ ہیں' حقائق یا باطنی معانی کو صرف اہل اسرار جانتے ہیں۔ جو شخص ظواہر میں گرفتار ہے وہ شریعت کی پابندیوں میں جکڑا ہوا ہے اور دین کی نہایت نیچی سطح پر ہے' جو شخص اہل باطن کی صحبت میں رہ کر حقائق سے آشنا ہو جاتا ہے وہ شریعت کی پابندیوں سے آزاد ہو جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن کی اس آیت کا یہی مفہوم ہے ﴿وَ يَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾ (الاعراف:۱۵۷) ''یعنی رسول اس بوجھ سے نجات دلاتا ہے جس کے تلے وہ (عوام) دبے ہوئے تھے اور وہ طوق اتارتا ہے جو ان کی گردنوں میں پڑے ہوئے تھے''۔

باطنیہ نے اپنی اس بنیادی تعلیم کو عوام کے سامنے صوفی بن کر پیش کیا۔ رفتہ رفتہ جاہل صوفیوں نے پہلے ظاہر اور باطن کی تفریق کا اصول اختیار کیا' پھر اس کے منطقی نتیجے کو بھی قبول کر لیا۔ یعنی انہوں نے شریعت اور طریقت میں تفریق کر دی اور کہنے لگے کہ شریعت کا حکم کچھ اور ہے اور طریقت کا حکم کچھ اور ہے۔ آخرکار انہوں نے باطنیہ کی اس تعلیم کو بھی تسلیم کر لیا کہ جب سالک کو معرفت حاصل ہو جاتی ہے تو وہ قید شریعت سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اور اپنے اس باطل عقیدے پر اس آیت سے استدلال کیا ﴿وَاعْبُدْ

رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ﴾ اور اس کا ترجمہ اس طرح کیا: ''صرف اُس وقت تک اپنے ربّ کی عبادت کر جب تک تجھے یقین نہ حاصل ہو۔'' جب معرفت یا یقین حاصل ہو جائے تو اتباعِ شریعت کی حاجت نہیں ہے۔

باطنیہ نے اس طرح لاکھوں مسلمانوں کو گمراہ کر دیا۔ عوام کے پاس کوئی آلہ یا معیار نہ اُس وقت تک تھا' نہ اب ہے' نہ آئندہ کبھی ہوگا' جس کی مدد سے وہ یہ معلوم کر سکتے کہ یہ شخص جو ظاہر میں صوفیوں کا لباس پہنے ہوئے بیٹھا تصوف کے ''اسرار و رموز'' بیان کر رہا ہے' باطن میں کیا ہے؟ اگر کسی عامی نے اعتراض بھی کیا کہ یہ قول قرآن یا حدیث کے خلاف ہے تو معتقدین نے اسے گستاخ قرار دے کر مجلس سے باہر نکال دیا۔ قصہ ختم شد۔

میں نے یہ صراحت اس لئے کی کہ آج بیسویں صدی میں بھی سنّی عوام کے دلوں میں جو یہ تفریق جاگزین ہے اور وہ اپنے ''بزرگوں'' کی خلافِ شرع باتوں پر اعتراض نہیں کرتے بلکہ ان کو از قبیل رموز و اسرارِ طریقت سمجھتے ہیں' یہ تفریق عبداللہ بن سبا کے متبعین کی پیدا کردہ ہے اور بیس سال کے مطالعہ کے بعد میرا پختہ عقیدہ یہ ہے کہ سبائیت اور اس کی نکھری ہوئی صورت یعنی باطنیت دراصل نبوت و رسالت محمدیؐ کے خلاف ایک بغاوت یا باغیانہ تحریک تھی' یعنی ولایت کے پردے میں نبوت کی تحقیر و تذلیل۔ ثبوت ملاحظہ ہو:

اقتباس از ولایت نامہ' تالیف سلطان العارفین و برہان الواصلین مولا الشہید الحاج ملا سلطان محمد گنابادی۔ سلطان علی شاہ۔ چاپ دوم۔ چاپخانہ دانش گاہ تہران ۱۳۸۵ قمری' صفحہ ۳۵

''قبولِ رسالت بیعت کردن است بر قبولِ احکامِ ظاہری و قبولِ ولایت بیعت کردن است بر قبولِ احکامِ باطنی۔ اوّل را اسلام و ثانی را ایمان می گویند و چوں قبولِ رسالت بجہت وصول بسوئے ولایت است کہ فرمود ﴿وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَمُنُّ عَلَیْکُمْ اَنْ ھَدٰکُمْ لِلْاِیْمَانِ﴾ (۴۹:۱۷) و فرمود ﴿اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ﴾ (۵:۶۷) یعنی رسالت تو مقدمۂ ولایت علی علیہ السلام است' اگر تبلیغ

ولایت نہ کردی و بیعت بولایت علی نگرفتی ہیچ تبلیغ رسالت نہ کردہ کہ مقدمہ بدون ذی مقدمہ و جودش باعدم مساوی است و بملاظۂ حیثیت رسالت و ولایت نسبت بحدیث دادہ شد کہ لَوْ لَا عَلِیٌّ لَمَا خَلَقْتُکَ) (انتہیٰ بلفظہٖ)

میں نے یہ زحمتِ نقل اس لئے گوارا کی ہے کہ اگر میں اس عبارت کا اردو ترجمہ درج کر دیتا تو بعض قارئین ضرور دل میں کہتے کہ مصنف نے یہ باتیں نہ لکھی ہوں گی' مترجم سے ترجمہ کرنے میں غلطی ہوگئی یا مفہوم تک اس کی رسائی نہ ہوسکی۔ لیکن ان لوگوں کی خاطر جو عربی و فارسی نہیں جانتے' اس کا مطلب ذیل میں درج کئے دیتا ہوں۔

۱) مصنف کی نقل کردہ پہلی آیت قرآن مجید یوں ہے: ﴿بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰكُمْ لِلْاِيْمَانِ﴾ (الحجرات:۱۷) یعنی ''بلکہ اللہ احسان رکھتا ہے اوپر تمہارے یہ کہ ہدایت کی تم کو طرف ایمان کے''۔

۲) قبولِ رسالت کا معنی ہے بیعت کرنا احکام ظاہری کے قبول کرنے پر۔

۳) قبولِ ولایت کا معنی ہے بیعت کرنا احکام باطنی کے قبول کرنے پر۔ (یعنی رسالت کا تعلق احکام ظاہری سے ہے اور ولایت کا تعلق احکام باطنی سے ہے۔ یہی تعلیم باطنیہ نے دی تھی' یعنی احکام ظاہری اور باطنی کی تفریق' جس سے شریعت اور طریقت میں تفریق پیدا ہوگئی اور امت میں تفرقہ رونما ہوگیا۔

۴) رسالت محمدی کو قبول کرنا اسلام ہے' ولایت علی کو قبول کرنا ایمان ہے۔

۵) اے رسول (ﷺ) اگر تو نے ایسا نہ کیا پس نہ پہنچایا تو نے پیغام اس (اللہ) کا (المائدہ:۶۷)

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے محمد! تیری رسالت مقدمہ ہے ولایت علیؑ کا۔ اگر تو نے ولایت کی تبلیغ نہیں کی اور ولایت کی بیعت نہیں لی تو رسالت کی تبلیغ بالکل نہیں کی' کیونکہ مقدمہ اگر ذی المقدمہ کے بغیر ہو تو اس کا وجود اور عدم دونوں مساوی ہیں۔

۶) رسالت اور ولایت کی حیثیت کو مدنظر رکھ کر اس حدیث سے نسبت دی گئی کہ ''اگر علی (پیدا) نہ تو اے محمد میں تجھے (بھی) پیدا نہ کرتا''۔

اس عبارت پر راقم الحروف کو یا رائے تبصرہ ہے نہ حوصلہ تنقید' صرف دو تین باتوں پر اکتفا کرتا ہے۔

ا) اس عبارت سے ثابت ہوا کہ ولایت' نبوت سے افضل ہوتی ہے' کیونکہ ایمان بہر حال افضل ہے اسلام سے۔

ب) جب تک ایک شخص ولایت علیؓ پر ایمان نہ لائے مؤمن نہیں ہوسکتا۔

ج) رسالتِ محمدیؐ کی بذاتِ خویش کوئی قدر و قیمت نہیں ہے اور نہ مقصود بالذات ہے' بلکہ وہ مقدمہ ہے ولایت علی کا اور اس لئے منطقی طور پر مقصود بالعرض ہے۔

د) رسالت ذریعہ یا واسطہ ہے حصولِ مقصد کا اور وہ مقصد ہے ''گرفتن بیعت ولایت علیؓ'' اور یہ بات محتاج ثبوت نہیں ہے کہ ذی واسطہ یا مقصد واسطے یا وسیلے سے افضل ہوتا ہے' اس لئے ولایت افضل ہے رسالت سے۔ یعنی صاحب ولایت افضل ہے صاحب رسالت سے۔ بالفاظِ واضح تر حضرت علیؓ افضل ہیں حضرت رسول اللہ ﷺ سے۔

ہ) قرآن سے تو یہ معلوم ہے کہ بعثتِ رسول کا مقصد یہ ہے کہ وہ دین الحق (اسلام) کو تمام ادیانِ عالم پر غالب کردے۔ کما قال اللہ عزوجل ﴿هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ﴾ ''(اللہ) وہی ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو ساتھ ہدایت اور دین حق کے' تا کہ وہ اس کو غالب کردے سب دینوں پر''۔

لیکن سلطان العارفین فرماتے ہیں کہ اللہ نے رسول کو اس لئے بھیجا کہ وہ حضرت علیؓ کی ولایت پر لوگوں سے بیعت لے اور اگر وہ ایسا نہ کرے گا تو اس کا وجود اور عدم دونوں برابر ہو جائیں گے۔

یہ وہ نکتہ ہے جس میں فہم سرگردان ہے اور عقل حیران ہے۔

اگر اس جگہ یہ اعتراض کیا جائے کہ ﴿بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ﴾ کا ترجمہ تو یہ ہوگا کہ ''اے رسول پہنچا دے (لوگوں کو) جو کچھ اتارا گیا ہے تیری طرف تیرے رب کی طرف سے' اور اگر ایسا نہ کیا تو نے تو نہ

پہنچایا پیغام اس کا''۔ اب نہ تو ان دونوں جملوں میں حضرت علیؑ کا اسم گرامی آیا ہے اور نہ سارے قرآن میں کہیں ان کا نام آیا ہے (۲۵)' نہ ان آیتوں سے پہلے ان کا تذکرہ ہے اور نہ ان کے بعد ان کا تذکرہ ہے۔ پس اندریں صورت ان دو آیتوں سے حضرت علیؑ کا تعلق کیسے ثابت ہوسکتا ہے؟ تبلیغ کا مطلب تبلیغ ولایت و بیعت گرفتن ولایت علیؑ کیسے ہوسکتا ہے؟ ﴿مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ﴾ کا مقصد تو قرآن ہے' کیونکہ وہی آنحضرت ﷺ پر بواسطہ جبریل نازل ہوتا رہا۔ تو مطلب یہ ہوا کہ قرآن (لوگوں) کو پہنچا اور اسی قرآن کی طرف لوگوں کو دعوت دے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تو ظاہری معنیٰ ہیں' لیکن سلطان العارفین نے اس کے باطنی معنیٰ بیان کئے ہیں جو صرف ''اہل اسرار'' پر منکشف ہوتے ہیں' صرفیوں اور نحویوں کی رسائی اس مقام تک نہیں ہوسکتی۔

باطنی معنیٰ نکالنے کے لئے قرآن کے ظاہری الفاظ کی تاویل اس طریقے اور اس انداز سے کرنا کہ صرف' نحو' معانی' بیان عقل اور خرد سب کا خاتمہ ہو جائے اور پڑھنے والا وادیٔ حیرت میں گم ہو جائے' باطنیہ کا سب سے بڑا احسان ہے امت محمدیؐ پر جس کا اندازہ یہ امت ابھی تک نہیں لگا سکی ہے۔ یہ فتنہ رومی کے زمانے میں اپنے شباب کو پہنچ چکا تھا' اس لئے انہوں نے مسلمانوں کو اس طرح متنبہ کیا ہے ۔

می کنی تاویل حرف بکر را
خویش را تاویل کن نے ذکر را

---

۲۵) اللہ کو بخوبی معلوم تھا کہ عبداللہ بن سباء اسلام میں شخصیت پرستی کا فتنہ پیدا کرے گا' اس لئے اس نے قرآن میں صرف ان دو آدمیوں کا ذکر ان کا نام لے کر کیا (ابولہب اور زید) جن کے بارے میں اسے علم تھا کہ سبائی ان ناموں کو استعمال نہیں کریں گے۔ اللہ نے اس باب میں اس قدر احتیاط ملحوظ فرمائی کہ ثانی اثنین اذ ھما فی الغار کو یارِ غارؓ کے نام پر ترجیح دی۔ یعنی چھ الفاظ استعمال کئے گئے مگر ایک لفظ ابوبکرؓ نہ فرمایا۔ لیکن یہ چھ الفاظ ایسے ہیں کہ سبائی بھی یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ثانی سے حضرت ابوبکرؓ ہی مراد ہیں۔ ثانی کی تاثیر دیکھئے کہ صدیق اکبرؓ ہر بات میں ثانی ہیں۔ چنانچہ اقبال مرحوم نے لکھا ہے:

ہمت او کشت ملت را چو ابر ثانی اسلام و غار و بدر و قبر

میرا خیال ہے کہ آیت زیر بحث کے جو معنیٰ ''برہان الواصلین'' نے بیان کئے ہیں وہ رسول تو کیا خدا کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں آئے ہوں گے۔ شاید اقبال نے اسی قسم کی تاویلاتِ باطلہ کے نمونے دیکھ کر یہ قطعہ کہا ہوگا ؎

ز من بر صوفی و ملا سلامے
کہ پیغامِ خدا گفتند ما را
ولے تاویل شاں در حیرت انداخت
خدا و جبرئیل و مصطفٰے را!

باطنیہ کی اسی تدسیس کی بدولت صحیح اسلامی (قرآنی) تصوف کی ساتویں صدی ہجری میں ایسی قلب ماہیت ہو چکی تھی کہ تصوف اور تشیع مترادف الفاظ بن گئے تھے۔ چنانچہ حیدر علی آملی صاحب تفسیر بحر الابحار نے لکھا ہے:

''تصوف طریقہ مرتضوی است و تصوف و تشیع یک معنی دارد''

(ماخوذ از اصول تصوف مؤلفۂ ڈاکٹر احسان اللہ استخری' صفحہ ۲۰)

یہی مؤلف ولایت کی بحث میں لکھتا ہے:

''ولایت از آن خدا است و بر آں ایں آیت شاہد است ﴿هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ﴾ (۲۶) از خدا بمصطفٰے و در ایں حقیقت جامعیت است' علی و فاطمہ تا حضرت قائم ثانی عشر' یک پایۂ و دارائے یک مایہ اند۔ چنانچہ رسول فرمود: (ا) اوّل ما خلق الله نوری (ب) انا و علی من نور و احد (شاعرے ایں

۲۶) مصنف نے اس آیت سے جو استدلال کیا ہے وہ سراسر غلط ہے بلکہ قرآن پر ظلم عظیم ہے۔ مصنف اتنی عربی ضرور جانتا ہوگا کہ وِلَایَۃ اور وَلَایَۃ میں فرق کر سکے مگر اس نے دانستہ تحریف معنوی سے کام لیا تا کہ وہ یہ کہہ سکے کہ اس آیت کی رو سے ''ولایت از آن خدا است''۔ اس آیت کا یہ مطلب اور معنی ہرگز نہیں ہیں۔ دلائل یہ ہیں:

(۱) آیت میں لفظ وَلَایَۃ ہے نہ کہ وِلَایَۃ اور ان دونوں لفظوں میں بہت فرق ہے۔ وَلَایَۃ (واؤ پر زبر کے ساتھ) کا معنی ہے نصرت یا مدد یا کارسازی۔ وِلَایَۃ (واؤ کے نیچے زیر) کا معنی ہے حکومت یا اقتدار یا ملک (دیکھو زمخشری)

(۲) اس آیت کے سیاق و سباق سے ثابت ہے کہ یہاں ولایت مزعومہ و مفروضہ کا قطعاً ذکر نہیں بلکہ میں قارئین کی آگاہی کے لئے اس بات کا اضافہ کرتا ہوں کہ ⇐

حدیث را چنیں نظم کردہ است) اصول تصوف مؤلفہ ڈاکٹر احسان اللہ استخری' صفحہ ۶۹)

علی و مصطفٰی ہمچو دو دیدہ
ز یک نورِ جلیل اند آفریدہ

⇐ پورے قرآن میں ولایت مزعومہ کا کہیں تذکرہ نہیں ہے۔ اللہ کو معلوم تھا کہ سبائی حضرت علیؓ سے ولایت کو منسوب کر کے انہیں رسول سے بھی بڑھا دیں گے' اس لئے اللہ نے دو جگہ وَلَایَة تو استعمال کیا ہے۔ (دیکھو ۸:۷۲ ﴿مَا لَكُمْ مِنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ الخ﴾) مگر لفظ وِلایة کہیں استعمال نہیں کیا۔ قرآن میں نہ کہیں لفظ علی (اسم زوج فاطمہ) آیا ہے نہ لفظ ولایت آیا ہے اور نہ ولایت علی کا کوئی تذکرہ ہے۔ ہر مومن متقی اللہ کا ولی (دوست) ہے اور اللہ اس کا ولی (دوست) ہے باز آمدم برسر مطلب آیت زیر بحث سے پہلے اللہ نے دو آدمیوں کی مثال بغرض تذکیر بیان کی ہے جن میں سے ایک کو اللہ نے باغ اور دولت دی جس پر اس نے تکبر کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے اسے ان نعمتوں سے محروم کر دیا۔ اس نے کہا ﴿يٰلَيْتَنِي لَمْ أُشْرِكْ بِرَبِّي اَحَدًا﴾ پھر آگے آیت میں اللہ فرماتا ہے کہ کوئی جماعت اسے مدد نہ دے سکی اور نہ وہ خود بدلہ لے سکا۔ اس کے بعد یہ آیت ہے کہ ﴿هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ﴾ یعنی '' حقیقت یہ ہے کہ حکمرانی' کارسازی اور نصرت یہ ساری باتیں صرف اللہ کے لئے ثابت ہیں جو الحق یعنی سچا اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے ''۔

اب قارئین خود ہی فیصلہ کر لیں کہ اس آیت کو سبائیوں کی موہومہ ولایت سے کیا تعلق ہے ۔ لیکن اس فرقے نے باطنی مفہوم مستخرج کرنے کیلئے پہلے تاویل کا دروازہ کھولا' پھر تاویل کے ذریعے سے پورے قرآن کو بازیچہ اطفال بنا دیا۔ اس کی مثالیں سبائیہ باطنیہ' قرامطہ کے لٹریچر سے بآسانی مل سکتی ہیں۔ تفصیل کیلئے دیکھو '' قواعد آل محمد (باطنیہ) تالیف محمد بن حسن الایلمی یمانی زمانہ تصنیف ۷۰۷ھ صفحہ ۱۸'۱۷۔ مثلاً طہارۃ سے مراد ہے مذہب باطنی کے علاوہ ہر مذہب سے براۃ' زنا سے مراد ہے علم باطن کے نطفے کو کسی ایسی ہستی کی طرف منتقل کرنا جو عہد میں شریک نہ ہو' روزے سے مراد ہے افشائے راز سے پرہیز کرنا' نماز سے مراد ہے امام وقت کی طرف لوگوں کو دعوت دینا' تیمم سے مراد ہے ماذون سے علم حاصل کرنا' حج سے مراد ہے اس علم کا طلب کرنا جو منزل مقصود ہے' زکوٰۃ سے مراد ہے اہل استعداد میں اشاعت علم کرنا ''۔ (منقول از تاریخ دعوت وعزیمت مؤلفہ مولانا ابوالحسن علی ندوی' صفحہ ۱۰۸)

مقصود ان تصریحات سے یہ ہے کہ موجودہ زمانے میں نقشبندی سلسلے کے علاوہ جس قدر سلسلے سنیوں میں پائے جاتے ہیں سب میں کم وبیش یہی عقائد مسلم اور مقبول ہیں۔ سنی عوام کا تو ذکر ہی کیا ہے خواص بھی حضرت علیؓ کے بارے میں یہی عقائد رکھتے ہیں' بلکہ بوقت حاجت رسول کے بجائے انہی کو پکارتے ہیں۔ اور کیوں نہ پکاریں جب وہ اپنے بزرگانِ سلسلہ کی تصانیف میں یہ پڑھتے رہتے ہوں کہ جنگ تبوک میں خود آنحضرت ﷺ نے ''مولا علی'' کو پکارا تھا۔

اسی لئے عصر حاضر کے مصری محقق ڈاکٹر ذکی مبارک کو یہ کہنے کا موقع مل سکا:

والواقع ان الصلة بين التشيع و التصوف فعلى هو معبود الشيعة و امام الصوفية (التصوف الاسلامی' مؤلفہ ڈاکٹر ذکی مبارک' جلد دوم' صفحہ ۲۳)

باطنیت کے اثرات تصوف پر

اب ناظرین خود غور کرلیں کہ جن لوگوں (باطنیہ) نے قرآن کے ساتھ یہ تلعب (کھیل) کیا' انہیں اسلامی تصوف کو کفر وشرک کا ملغوبہ بنا دینے میں کیا تامل ہوسکتا تھا۔ ان کو تو اہل سنت کو گمراہ کرنا تھا۔ چونکہ تصوف کی راہ سے گمراہی کی اشاعت آسان ترین تھی اور کامیابی یقینی تھی اس لئے انہوں نے اسلامی تصوف ہی کو خاص طور سے ہدفِ تدسیس وتلبیس وتحریف بنایا اور جھوٹی روایتیں کو سنی صوفیوں کے دماغوں میں اس طرح جاگزیں کر دیا کہ اکثر نے انہیں بلاتحقیق قبول کرلیا اور ان روایتوں کے زیر اثر اکثر صوفیوں کے عقیدے اہل سنت کے مسلمہ عقائد سے مختلف ہو گئے' بلکہ وہ بعض عقائد میں سبائیوں کے ہم نوا ہو گئے۔ اس کی چند مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں (واللہ المستعان)

۱) عزالدین محمود بن علی کاشانی متوفی ۷۳۵ھ نے تصوف میں ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام ہے ''مصباح الہدایۃ ومفتاح الکفایۃ'' اس کو پروفیسر جلال الدین ہمائی کے مقدمے اور تعلیقات کے ساتھ کتاب خانۂ سنائی نے طہران سے شائع کیا ہے۔ پروفیسر مذکور نے اپنے مقدمے کا آغاز اپنی مخصوص ذہنیت کی بناء پر بسم اللہ الرحمٰن

الرحیم کے بجائے ''بنامِ خداوند بخشندۂ بخشائش گر مہربان'' سے کیا ہے' حالانکہ ہر عالم جانتا ہے کہ لفظ ''خداوند'' اللہ کے مفہوم کو ادا نہیں کر سکتا۔

چونکہ کاشانی نے یہ کتاب شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی عوارف المعارف کو سامنے رکھ کر لکھی ہے اس لئے بعض لوگوں کو یہ مغالطہ لاحق ہو گیا کہ یہ کتاب اس کا ترجمہ ہے۔ چنانچہ نولکشوری نسخے میں اسے ترجمہ ہی لکھا گیا ہے۔

چونکہ کاشانی بباطن شیعہ ہے (جیسا کہ آگے چل کر واضح کروں گا) اس لئے مقدمہ نگار نے اس کی خدمت میں خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ چنانچہ پروفیسر ہمائی اپنے مقدمے میں خود لکھتا ہے:

ا) وہ ہر جگہ آلِ محمدؐ پر صلوات کو محمدؐ پر صلوات کی ردیف قرار دیتا ہے' مثلاً دیکھو دعائے بعد از طعام' صفحہ ۲۷۴: **الحمدلله الذی اطعمنا هذا ورزقناه من غیر حول منا اللهم صل علی محمد و آل محمد** ۔(انتہی بلفظہٖ' صفحہ ۲۷۴)

ب) آیتِ نجویٰ کے بارے میں وہ شیعہ کی طرح یہ روایت کرتا ہے کہ علی علیہ السلام کے علاوہ کسی نے اس آیت پر عمل نہیں کیا اور اس طرح موافق منافق سے ممتاز ہو گیا۔ (صفحہ ۲۲۴)

ج) ایک جگہ وہ یہ بات بھی نقل کرتا ہے کہ علی علیہ السلام نے عمرؓ کو نصیحت کی تھی۔ (صفحہ ۲۷۸)

د) وہ علی علیہ السلام کو دوسرے صحابہ پر ترجیح و تفضیل دیتا ہے اور اپنے باطن میں ان کو تمام صحابہ سے زیادہ دوست رکھتا ہے' لیکن اس کے اظہار کو واجب نہیں جانتا۔ (صفحہ ۴۸ (مقتبس از مقدمہ' صفحہ ۴۴' ۴۵)

پروفیسر ہمائی کی یہ تصریحات میرے دعوے کے اثبات کے لئے بالکل کافی ہیں کہ کاشانی بباطن شیعہ ہے۔ تاہم اس نے صفحہ ۴۸ پر جو غلط بیانی کی ہے اسے نقل کرنے کے بعد اس کی تردید کرنی مناسب ہے' تاکہ جو سنی اس کی کتاب میں یہ عبارت پڑھیں وہ گمراہی سے محفوظ رہ سکیں۔

مصنف نے ازراہِ تقیہ صفحہ ۴۶ پر یہ لکھا ہے کہ ''مؤمن حقیقی اس بات کو روا نہیں

رکھ سکتا کہ اصحاب رسول پر قدح کرے' کیونکہ انہوں نے رسول کی محبت پر مہاجرت کی' اقارب سے جدائی اختیار کی اور اپنے اموال رسول ﷺ کے مبارک قدموں پر نثار کیے''۔ (صفحہ ۴۶)

اگرچہ کاشانی نے اس عبارت میں حضرات ابوبکر صدیقؓ' وعمر فاروق اعظمؓ اور عثمان غنیؓ کا نام لے کر تذکرہ نہیں کیا ہے تاہم اس عبارت سے یہ ضرور ثابت ہوگیا ہے کہ اس کا لکھنے والا شاتم صحابۂ رسول نہیں ہے مگر اس فصل نہم کا آخری جملہ ایسا ہے جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ اس کا لکھنے ولا اہل سنت والجماعت میں سے نہیں ہے۔

پس عقیدۂ صحیحہ سلیمہ یہ ہے کہ:

ا) سب صحابہؓ کو دوست رکھے اور ان میں ایک کو دوسرے پر ترجیح وتفضیل سے اپنے آپ کو روکے۔

ب) اگر اس کے باطن میں فضیلت کی بناء پر کسی صحابی کی محبت راجح ہو جائے تو اس کو پوشیدہ رکھے' کیونکہ اس پر اس کا اظہار واجب نہیں ہے۔

ج) اس مشاجرت کے باب میں جو امیر المؤمنین علی علیہ السلام اور معاویہ کے درمیان واقع ہوئی' ہم یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ علی علیہ السلام اجتہاد خلافت میں محق اور مصیب تھے اور امر خلافت کی مباشرت کے لئے مستحق اور متعین تھے جبکہ معاویہ مخطی اور مبطل اور مذنب اور غیر مستحق تھے ﴿ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَلَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴾ (صفحہ ۴۸)

اس عبارت میں کاشانی اپنی اصلی شکل میں نمودار ہوگیا ہے۔ اس گروہ کا شروع ہی سے یہ طریقہ رہا ہے کہ جس صورت سے اور جس طرح ہو سکے اہل سنت کو گمراہ کیا جائے۔

واضح ہو کہ یہ عقائد اہل سنت کے ہرگز نہیں ہیں۔ کاشانی نے ایک صوفی کے لباس میں اہل سنت کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ ذیل میں اہل سنت کا عقیدہ صحیحہ سلیمہ درج کر کے اپنے فرض سے سبکدوش ہو رہا ہوں۔

ا) پہلی صدی ہجری سے تا ایں دم تمام اہل سنت کا اجماعی اور متفقہ عقیدہ یہ رہا

ہے کہ حضرت ابوبکرؓ تمام صحابہ میں افضل واکمل واتقیٰ ہیں' بلکہ انبیاء کے بعد تمام روئے زمین کے انسانوں سے افضل ہیں۔ ملاحظہ ہو:

ا) امام فخر الدین رازی' کتاب الاربعین میں صفحہ ۲۶۴ پر لکھتے ہیں کہ ((مذهب اصحابنا ان افضل الناس بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم هو ابوبكر رضى الله عنه)) یعنی اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد ابوبکرؓ سب انسانوں میں افضل ہیں۔

ب) امام نجم الدین النسفی عقائد نسفی میں لکھتے ہیں'' ہمارے نبی ﷺ کے بعد تمام انسانوں میں ابوبکرؓ افضل ہیں اور ان کے بعد عمر فاروقؓ (انگریزی ترجمہ' شرح عقائد' صفحہ ۱۴۱)

ج) امام کمال الدین بن الہمام کتاب المسائرہ میں صفحہ ۳۱۲ پر لکھتے ہیں'' صحابہ اربعہ یعنی الخلفاء کی فضیلت علیٰ حسب ترتیب فی الخلافت یہ ہے کہ پہلے ابوبکرؓ' پھر عمرؓ''۔ نیز صفحہ ۳۱۲ پر لکھتے ہیں کہ صحیح البخاری میں محمد بن الحنفیہ سے روایت ہے کہ میں نے اپنے باپ علیؓ سے پوچھا: اى الناس خير بعد رسول الله صلى الله عليه وسلم؟ فقال ابوبكرؓ یعنی'' رسول اللہ ﷺ کے بعد انسانوں میں کون افضل ہے؟ انہوں نے جواب دیا ابوبکرؓ''۔

د) مولانا محمد ادریس کاندھلوی عقائد الاسلام میں صفحہ ۱۵۰ پر لکھتے ہیں:'' تمام اہل حق کا اس پر اجماع ہے کہ پیغمبروں کے بعد تمام انسانوں میں افضل اور بہتر اور خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد امام برحق اور خلیفۂ مطلق ابوبکر صدیقؓ ہیں''۔ پھر صفحہ ۱۶۰ پر لکھتے ہیں:'' امام ذہبی نے بسند صحیح بیان کیا کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ بعض لوگ مجھے ابوبکرؓ اور عمرؓ پر فضیلت دیتے ہیں۔ میں جسے فضیلت دینے والا پاؤں گا تو وہ مفتری ہے اور اسے وہی سزا دوں گا جو مفتری کی ہے۔''

بخوفِ طوالت صرف ان چار شہادتوں پر اکتفا کرتا ہوں۔ جو لوگ اس مسئلے کی تفصیل کے آرزومند ہوں وہ مکتوبات حضرت مجدد الف ثانیؒ اور قرۃ العینین فی فضیلۃ

الشیخینؓ مؤلفہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کا مطالعہ کر لیں۔ انہیں معلوم ہو جائے گا کہ پہلی صدی سے اس وقت تک تمام اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ افضل البشر بعد الانبیاء ہیں۔ آخر میں ایک غیر مسلم سر ولیم میور کی شہادت درج کرتا ہوں تا کہ قارئین کو یہ معلوم ہو جائے کہ دراصل فضیلت وہ ہے جس پر اعداء بھی گواہی دینے پر مجبور ہوں۔ ولیم میور اپنی تالیف ''الخلافۃ'' میں لکھتا ہے:

(ا) پیغمبر اسلام (ﷺ) کی سچائی پر ایمان ابوبکرؓ کی طبیعت ثانیہ بن گیا تھا اور اب جبکہ ان کے مرشدؐ کی وفات ہو چکی تھی' مرید نے اپنی زندگی ان کی آرزو کی تکمیل کے لئے وقف کر دی۔ یہی جذبۂ فدویت تھا جس نے ابوبکرؓ کی نرم اور مصالحت نواز افتادِ طبع میں اس قدر ہمت پیدا کر دی اور انہیں محمد (ﷺ) کے تمام متبعین (صحابہ) میں سب سے زیادہ سچا' سب سے زیادہ ثابت قدم اور سب سے زیادہ ثابت العزم بنا دیا''۔ (صفحہ ۷)

ب) ''ابوبکرؓ کے دل میں ذاتی اعزاز کے حصول کی مطلق آرزو نہ تھی۔ اگرچہ انہیں اقتدارِ اعلیٰ حاصل تھا لیکن انہوں نے اس اقتدار کو اسلام اور مسلمانوں کی بہبود کے لئے استعمال کیا۔ لیکن ان کی طاقت اور سطوت کا سب سے بڑا راز صداقت رسولؐ پر ایمان محکم میں مضمر تھا۔ چنانچہ وہ کہا کرتے تھے کہ مجھے خلیفۃ اللہ مت کہو! میں تو محض خلیفۂ رسول ہوں۔ زندگی بھر ان کے سامنے صرف ایک ہی سوال رہا' یعنی اس معاملے میں نبیؐ نے کیا حکم دیا تھا یا وہ خود اس معاملے میں کیا کرتے؟

ساری عمر انہوں نے اس اصول سے بال برابر انحراف نہیں کیا۔ اسی جذبۂ فنائیت کی بدولت انہوں نے فتنہ ارتداد کا ایسی کامیابی سے قلع قمع کر دیا۔ اگرچہ ان کا عہد حکومت مختصر تھا مگر محمد (ﷺ) کے بعد تمام صحابہ میں ابوبکرؓ سے بڑھ کر کوئی شخص اسلام کا محسن نہیں ہے۔

چونکہ پیغمبر اسلام پر ان کا ایمانِ راسخ بذاتِ خود محمد (ﷺ) کی سچائی کی زبردست دلیل ہے' اس لئے میں نے ان کی زندگی اور سیرت کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کی ہے۔ اگر محمد (ﷺ) اپنے دعوے میں سچے نہ ہوتے تو وہ کبھی ہرگز ابوبکر جیسے دانشور اور صاحبِ عقل و خرد انسان کی رفاقت حاصل نہیں کر سکتے

تھے‘‘۔(صفحہ۸۱)

میں نے بھی میؤر کی کتاب سے یہ دو اقتباسات اس لئے تفصیل کے ساتھ نقل کر دیئے ہیں کہ قارئین یہ اندازہ کر سکیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی زندگی اور سیرت دونوں اس قدر شاندار‘ ارفع‘ پاکیزہ اور بے عیب ہیں کہ ایک غیر مسلم بھی جو نہ اسلام کا دوست ہے‘ نہ مسلمانوں کا خیر خواہ ہے‘ ان کی تعریف وتحسین پر مجبور ہے‘ بلکہ انہیں تمام صحابہ میں سب سے زیادہ مخلص‘ سب سے زیاہ راست باز‘ سب سے زیادہ ثابت قدم قرار دیتا ہے۔ انہیں بعد رسولؐ اسلام کا سب سے بڑا محسن سمجھتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ انہیں تمام صحابہؓ میں سرکارِ دو عالم ﷺ کا سب سے بڑا فدائی‘ سب سے بڑا عاشق اور سب سے بڑا متبع یقین کرتا ہے۔ بالفاظِ دیگر اہل سنت کی طرح انہیں تمام صحابہؓ میں افضل اور اکمل جانتا ہے اور ان سب باتوں سے بلند تر بات یہ ہے کہ ابوبکرؓ کے ایمان اور خلوص کو خود انؓ کے آقا اور مولیٰ ﷺ کی صداقت کی دلیل گردانتا ہے۔

شاید ہی کسی غیر مسلم نے میؤر سے بڑھ کر صدیق اکبرؓ کے مقامِ رفیع کو پہچانا ہو۔ میں نے بدلائل عقلیہ وشواہد نقلیہ یہ بات واضح کر دی کہ کاشانی نے جو یہ بات لکھی ہے کہ صحابہؓ میں کسی کو کسی پر ترجیح نہ دے‘ سراسر گمراہی اور بطالت ہے اور اہل سنت کے اجماعی عقیدے کے خلاف ہے۔ اسی ایک بات سے ثابت ہو گیا کہ کاشانی اہل سنت والجماعت سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ علام الغیوب تو صرف خدا ہے‘ ہم تو ظواہر ہی پر حکم لگا سکتے ہیں کہ وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

۲) پھر کہتا ہے کہ ’’اگر کسی صحابی کی محبت راجح ہو جائے تو اسے پوشیدہ رکھے۔‘‘ یہ بات کہہ کر اس نے اپنے آپ کو بالکل ظاہر کر دیا۔ اپنے عقائد کو چھپانا اور پوشیدہ رکھنا یہ ہرگز اہل سنت کا مسلک نہیں ہے بلکہ سبائیہ اور باطنیہ کا مذہب ہے۔

۳) اس نے حضرت معاویہؓ کی شان میں جو الفاظ استعمال کئے ہیں وہ اہل سنت استعمال نہیں کر سکتے‘ بلکہ وہی لوگ لکھ سکتے ہیں جن کے قلوب میں زیغ اور کذب راسخ ہو چکا ہے۔ علاوہ بریں اس نے ہر جگہ حضرات علیؓ‘ حسنؓ وحسینؓ کے لئے علیہ السلام کے الفاظ استعمال کئے ہیں اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ سنی نہیں تھا‘ کیونکہ

تمام اہل سنت کا یہ طریق ہے کہ وہ انبیاء کے لئے علیہ السلام اور صحابہ کے لئے رضی اللہ عنہ کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ کاشانی نے اپنی صحابہ دشمنی کا یہاں تک ثبوت دیا ہے کہ اس نے جنید اور بایزید کے نام کے آگے رحمتہ اللہ علیہ لکھا ہے مگر حضرت معاویہؓ کے نام کے آگے کچھ نہیں لکھا۔ اب ناظرین خود فیصلہ کر لیں کہ وہ کس طائفے سے تعلق رکھتا ہے۔

۴) اس نے صفحہ ۲۷۸ پر لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کو زہد و ورع اختیار کرنے کی تلقین کی تھی۔ یہ روایت نقلاً اور عقلاً دونوں طرح غلط اور وضعی ہے۔ نقلاً اس لئے کہ کاشانی نے اس روایت کی سند بیان نہیں کی اور عقلاً اس لئے کہ حضرت عمرؓ اس قدر زاہد اور متورع تھے کہ وہ خود حضرت علیؓ کے لئے اسوۂ حسنہ تھے۔ چونکہ موازنہ ایک نازک امر ہے اس لئے یہیں قلم روکتا ہوں، ورنہ اس پر ایک مقالہ لکھا جا سکتا ہے۔

الحمدللہ میں نے بشواہد و دلائل ثابت کر دیا کہ کاشانی نے صوفی بن کر جاہل اور عالم دونوں قسم کے سنیوں کو گمراہ کرنے کا پورا پورا سامان اپنی کتاب میں جمع کر دیا ہے۔ بقول پروفیسر ہمائی مقدمہ نگار وہ شیعہ تفضیلیہ تھا اور میری رائے میں وہ شیعہ تھا۔ اس نے تقیہ اختیار کر کے صوفیوں کا لباس پہنا اور اس کتاب کے پردے میں اہل سنت کے دماغوں میں خلاف اسلام عقائد جاگزیں کر دیئے۔ اور چونکہ صوفیوں میں اسلاف کی کتابوں یا ان کے مقولوں پر تنقید خلاف ادب یقین کی جاتی ہے اس لئے اس قسم کے غلط عقائد اور بے سند قصے ہمارے یہاں صدیوں سے مقبول اور مسلم چلے آ رہے ہیں۔

کاشانی نے اس کتاب میں ایک روایت ایسی درج کی ہے جس کی چاشنی سے قارئین کو محروم رکھنا مناسب معلوم نہیں ہوتا لیکن میں اس پر کوئی تبصرہ نہیں کروں گا اس لئے کہ نزاکت روایت تاب تبصرہ ندارد۔ ہاں مجبوراً ترجمہ کئے دیتا ہوں۔

''چنانکہ رسیدہ است کہ وقتے حسین بن علیؓ نے اپنے باپ سے پوچھا۔ ''کیا آپ مجھ سے محبت رکھتے ہیں؟'' انہوں نے کہا ''ہاں'' پھر حسین نے پوچھا ''کیا آپ اللہ سے محبت رکھتے ہیں؟'' انہوں نے کہا ''ہاں''۔ یہ سن کر حسین نے کہا

''ہیہات قلب واحد میں دو محبتیں تو جمع نہیں ہوسکتیں۔'' یہ سن کر حضرت علیؓ رونے لگے۔ اس وقت حسینؓ نے کہا ''اے باپ! اگر آپ کو میرے قتل اور اپنے ایمان کے ترک میں اختیار دیا جائے تو آپ کس کو اختیار کریں گے؟'' حضرت علی نے کہا ''میں ترکِ ایمان پر قتل کو اختیار کروں گا۔'' یہ سن کر حسینؓ نے کہا ''خوش ہو جائیے اے باپ! کیوں کہ وہ محبت ہے اور یہ شفقت ہے۔''

پروفیسر ہمائی نے اس روایت کی تضعیف یا تردید تو نہیں کی مگر حاشیے میں اتنا ضرور لکھ دیا ہے کہ ''ماخذ ایں روایت معلوم نیست'' (ص ۴۰۷)

اب پروفیسر ہمائی کو کون بتائے کہ اللہ کے بندے! اس کتاب میں بہت سی روایات ایسی مندرج ہیں جن کا ماخذ نہ معلوم ہے اور نہ کبھی معلوم ہوسکتا ہے۔ پروفیسر صاحب کسی ''صاحب اسرار'' کی صحبت اختیار کریں تو یہ باطنی علوم شاید ان پر منکشف ہو جائیں۔

کاشانی کی کتاب کے بعد اب ہم ناظرین کو حضرت مولانا محمد عثمان انصاری نقشبندی جالندھریؒ کی تصنیف ''محبت باری'' تعالیٰ کی سیر کراتے ہیں۔ مصنف کتاب نے، جیسا کہ اس کے مترجم مولوی محمد سلیمان صاحب گیلانی نے ''عرض مترجم'' میں لکھا ہے، سب سے پہلے حضرت شیخ جلال الدین تھانیسریؒ سے قادری سلسلے میں بیعت کی تھی، پھر خواجہ محمد اسحاقؒ سے نقشبندی طریق کی اجازت حاصل کی۔ آخری دو رحضرات خواجہ باقی باللہ متوفی ۱۰۱۲ء کی خدمت میں گزارا۔ یعنی خواجہ محمد عثمان، حضرت مجدد الف ثانیؒ کے پیر بھائی تھے اور غالباً گیارہویں صدی ہجری کے نصف اوّل میں فوت ہوئے۔ اس سے زیادہ ان کے حالات معلوم نہ ہوسکے۔ (ص ۱۵)

فاضل مترجم طریقت اور شریعت دونوں کے جامع ہیں۔ انہوں نے اس کتاب میں جس قدر ضعیف احادیث اور غلط روایات درج ہیں، سب کی نشان دہی کی ہے۔ اسلامی تصوف میں غیر اسلامی عقائد کی جو آمیزش ہوگئی ہے اس پر ان کا تبصرہ ذیل میں درج کرتا ہوں، کیونکہ اس سے میرے دعوے کی تائید و تصدیق ہوتی ہے:

''قصہ مختصر آج کل تصوف میں ''منکر'' کی آمیزش ہو چکی ہے۔ طالب کو لازم

ہے کہ صوفیہ کی اچھی باتوں کو حاصل کرے غلط باتوں کو چھوڑ دے۔ اصل دین (اہل تصوف کی کتابیں نہیں بلکہ) کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہے۔ صوفیہ کے جو اقوال کتاب وسنت کے مطابق ہوں ان کو قبول کر لیا جائے اور جو ان کے خلاف ہوں انہیں چھوڑ دیا جائے۔''

''محدثین میں تین قسم کے لوگ ہیں۔ ایک وہ جو جمع حدیث میں بھی امام ہیں اور راویوں پر تنقید میں بھی امام ہیں۔ دوسرے وہ جو جمع حدیث میں تو امام ہیں مگر تنقید میں دسترس نہیں رکھتے۔ تیسرے وہ جو جمع حدیث میں امام نہیں مگر نقد روایت میں امام (ماہر) ہیں۔ لیکن صوفیاء میں سے کوئی بھی ان فنون یعنی فن جرح وتعدیل یا فن نقد وتبصرہ یا فن اسماء الرجال کا مردِ میدان نہیں (۲۷) ہے۔ انتہائی عقیدت کے باوجود جب ہم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی کتاب غنیۃ الطالبین کو دیکھتے ہیں تو اس میں بھی کافی ضعیف روایات دیکھنے میں آتی ہیں اور بعض موضوع (۲۸) روایات بھی اس میں آ گئی ہیں۔ اسی طرح مکتوبات میں بھی کئی ایسی ضعیف روایات آ گئی ہیں جن سے محدثین کے کان تک نا آشنا ہیں۔ کچھ اسی طرح کی کیفیت زیر نظر کتاب ''محبت الٰہی'' کی بھی ہے۔ جہاں تک روایات واحادیث کا تعلق ہے اس میں بہت کم صحیح احادیث پائی گئی ہیں۔ بعض احادیث مندرجۂ کتاب ضعیف ہیں اور ایک اچھی خاصی تعداد موضوع روایات کی بھی موجود ہے۔''

محبت الٰہی میں جس قدر ضعیف اور موضوع روایات درج ہیں ان میں سے بعض پر فاضل مترجم نے ''ضمیمہ متعلقہ کتاب محبت باری تعالیٰ'' کے ذیل میں مفصل تنقید کی

۲۷) مجھے بڑی مسرت ہوئی کہ فاضل مترجم کثر اللہ مثلہ نے اخلاقی جرأت سے کام لے کر یہ سچی بات بلا خوف لومۃ لائم واشگاف الفاظ میں درج کتاب کر دی۔ میں بھی بائیس سال تک (۱۹۴۵ء تا ۱۹۶۷ء) کتب تصوف کا مطالعہ کرنے کے بعد اسی نتیجے پر پہنچا ہوں۔ کشف المحجوب اور اس کے مصنف دونوں کی عظمت مسلمہ ہے مگر اس میں بھی ضعیف روایات موجود ہیں اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ صوفیاء ارباب حال تو تھے مگر محدث اور نقاد رواۃ نہیں تھے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن جوزی نے اکثر صوفیاء پر تنقید کی ہے۔

۲۸) میں جسے جھوٹی روایت کہتا ہوں محدثین اپنی اصطلاح میں اسے موضوع کہتے ہیں اور اس کا درجہ ضعیف روایات سے بھی بہت پست ہے یعنی قطعاً ناقابل قبول۔

ہے۔یعنی پڑھنے والوں کو گمراہی سے بچانے کا پورا انتظام کر دیا ہے (جزاہ اللہ احسن الجزاء) میں یہ پورا ضمیمہ تو نقل نہیں کر سکتا' صرف ایک جھوٹی روایت پر ان کی تنقید جذباتِ ممنونیت کے ساتھ درج کئے دیتا ہوں۔ فاضل مترجم اور ناقد صفحہ ۴۹۲ پر لکھتے ہیں۔

''کتاب ہذا کے صفحہ ۳۰۶ پر ایک منظوم حکایت بیان کی گئی ہے جس میں آنحضرت ﷺ کی اپنی امت پر شفقت کا اظہار کیا گیا ہے۔ لیکن جس طرح آپؐ کی شفقت کا اظہار کیا گیا ہے یا جس طرح کا انداز اختیار کیا ہے وہ قطعاً صحیح نہیں ہے۔ اس میں کئی ایک چیزیں خلاف شریعت آ گئی ہیں۔ اس منظوم حکایت کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ ہمیشہ تمام رات نماز پڑھا کرتے تھے اور امت کی سفارش میں مشغول رہا کرتے تھے۔ اتفاق سے ایک رات آپ کو نیند آ گئی۔ خدا کی طرف سے وحی آئی کہ آپ کو سونا نہیں چاہئے تھا۔ اس جرم کی سزا آپ کو یہ دی جائے گی کہ آپ کی تمام امت کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ یہ سن کر آپؐ شہر سے باہر تشریف لے گئے اور جب تین دن گزر گئے تو صحابہؓ کو تشویش ہوئی جا کر حضرت عائشہؓ سے سوال کیا کہ آپؐ کو معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ کہاں تشریف لے گئے ہیں؟ آپؓ نے وحی آنے کا واقعہ بیان کیا اور کہا کہ اس کے بعد آپؐ گھر تشریف نہیں لائے۔ صحابہؓ تلاش کے لئے مدینہ سے باہر نکلے۔ ایک چرواہا ملا۔ اس سے پوچھا کہ کہیں ہمارے رسولؐ کو دیکھا ہے؟ اس نے کہا آج تین دن گزر چکے ہیں میری بکریاں گھاس نہیں چرتیں۔ اس پہاڑ کی طرف منہ کر کے کھڑی رہتی ہیں جہاں سے نہایت دردناک آوازیں آتی رہتی ہیں۔ یہ سنتے ہی صحابہؓ اس پہاڑ کی طرف دوڑے۔ دیکھا کہ آنحضرت صلعم سجدے میں پڑے ہوئے تھے' آنسوؤں سے زمین پر کیچڑ ہو گئی تھی اور آپ کا چہرہ اس میں لت پت تھا اور آپ رو رو کر امت کی بخشش کی دعائیں کر رہے تھے۔ چاروں خلفاء نے علی الترتیب عرض کی کہ آپ سجدے سے سر اٹھایئے' ہم نے اپنی تمام زندگی کے نیک اعمال آپ کی امت کی رہائی کے لئے بخش دیئے۔ حضرت عثمانؓ نے یہ بھی کہا کہ میں نے جو قرآن جمع کیا ہے اس کا ثواب بھی آپ کی امت کو بخشتا ہوں۔ مگر آپ نے چاروں خلفاء کو ایک ہی جواب دیا کہ اس سے

میرا کام نہیں چل سکتا۔ جب خدا کی طرف سے حکم آ چکا ہے کہ میں تیری امت کے تمام افراد کو دوزخ میں ڈال دوں گا تو تمہاری باتوں پر کس طرح اعتبار کر سکتا ہوں۔ جب صحابہؓ مایوس ہو گئے تو ایک آدمی کو حضرت فاطمہؓ کی خدمت میں روانہ کیا۔ وہ دوڑتی ہوئی آئیں اور انہوں نے آنحضرتؐ سے عرض کی کہ آپ گھر تشریف لے چلیں' میں اپنی زندگی کے تمام اعمال آپ کی امت پر نثار کرتی ہوں۔ آپ نے حضرت فاطمہ کو بھی وہی جواب دیا۔ جب وہ آپؐ سے مایوس ہو گئیں تو انہوں نے اپنا سر برہنہ کیا اور سجدے میں گر گئیں اور رو رو کر خدا سے دعائیں کرنے لگیں۔ تھوڑی دیر کے بعد جبریل تشریف لائے اور خدا کی طرف سے آنحضرتؐ کو امت کی بخشش کی خوشخبری سنائی اور کہا کہ خدائے فاطمہؓ کے آنسوؤں کی لاج رکھ لی اور آپ کی امت کو بخش دیا گیا۔ حضرت فاطمہؓ نے صرف آپؐ کی امت کے لئے سفارش کی تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر فاطمہؓ تمام دنیا کے لوگوں کے لئے سفارش کرتیں تو میں تمام دنیا کو بخش دیتا۔ اس کے بعد حضورؐ مع تمام صحابہؓ خوش خوش گھر تشریف لے آئے۔''

اس منظوم حکایت کا خلاصہ بیان کرنے کے بعد فاضل مترجم نے یہ تبصرہ کیا ہے:

''اس حکایت میں خط کشیدہ الفاظ پر غور فرمائیں (ا) آپ نے تمام رات کبھی بھی جاگ کر نہیں گزاری' بلکہ آپ قریباً آدھی رات سویا کرتے تھے اور آدھی رات قیام فرمایا کرتے تھے' کیونکہ سورۂ مزمل میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ آپ رات کے کچھ حصے میں سویا کریں اور آدھی رات کے بعد اٹھ کر قرآن پڑھا کریں۔ غور کیجئے کیا آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی خلاف ورزی دیدہ و دانستہ کر سکتے تھے؟

(ب) اس کے بعد یہ بات بھی قابل غور ہے کہ سوئیں تو آنحضرت ﷺ اور ان کے جرم کی سزا ملے امت کو! اللہ نے تو یہ فرمایا ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

(ج) حضرت عثمانؓ کا اپنے جمع قرآن کے عمل کو پیش کرنا بھی خلافِ واقعہ ہے' کیونکہ انہوں نے حضور کی زندگی میں قرآن جمع ہی کب کیا تھا؟

(د) حضرت فاطمہؓ کا اپنے سر کو برہنہ کر کے سجدے میں گر پڑنا کہاں جائز ہے؟

حدیث میں آیا ہے کہ جب تک کسی عورت کا سر ننگا رہتا ہے فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔ کیا حضرت فاطمہؓ ایسا فعل کر سکتی تھیں جس پر خدا کے فرشتے لعنت کریں؟ اس کے علاوہ آنحضرتؐ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ بالغ عورت کی نماز دوپٹے کے بغیر قبول نہیں ہو سکتی تو ان کا سجدہ کیسے قبول کر لیا گیا؟

(ہ) سبحان اللہ! کیا مقام ہے حضرت فاطمہؓ کا! رسول اللہ ﷺ تو تین دن سے رو رہے تھے' آپؐ کے آنسوؤں کی تو خدا نے لاج نہ رکھی' لیکن فاطمہؓ کے آنسوؤں کی لاج رکھ لی گئی اور وہ بھی اس حیثیت سے کہ ان سے بھول ہو گئی جو صرف امت مسلمہ کی سفارش کی' اگر وہ پوری دنیا کی سفارش کر دیتیں تو خدا تعالیٰ تمام دنیا کے کافروں اور مشرکوں کو بھی بخش دیتا۔ جل جلالہٗ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام زندگی اپنے مشرک باپ کی سفارش کرتے رہے مگر وہ نہ بخشا گیا۔ حضرت نوحؑ نے اپنے مشرک بیٹے کی سفارش کی مگر قبول نہ ہوئی۔ خود آنحضرت ﷺ نے عبداللہ بن ابی منافق کا جنازہ پڑھا (یعنی دعائے مغفرت کی) مگر وہ نہ بخشا گیا' بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ اے رسولؐ! اگر آپ اس کے لئے ستر مرتبہ استغفار کریں گے تو بھی میں اسے نہیں بخشوں گا۔

(د) اس حکایت کی ابتداء میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس ''حدیث'' کو تمام محدثین نے قبول کیا ہے' حالانکہ حدیث کی کسی معتبر کتاب میں اس حکایت کا نام و نشان بھی نہیں ملتا۔

(ز) تاریخی لحاظ سے حضور ﷺ کا اس طرح ایک دن بھی مدینے سے غائب رہنا ثابت نہیں ہے۔

مندرجہ بالا تصریحات کی روشنی میں یہ سارا واقعہ بناوٹی معلوم ہوتا ہے جسے کسی رافضی نے حضرت فاطمہؓ کی فضیلت ثابت کرنے کے لئے بنایا ہے۔

(مقتبس از ضمیمہ محبت باری تعالیٰ' ص ۴۹۲ تا ۴۹۹)

فاضل مترجم کی اس تنقید کے بعد مجھے اپنی طرف سے کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ انہوں نے حقیقت پورے طور سے آشکار کر دی ہے۔ جزاہ اللہ خیراً.

اب ہم قلندروں کی محفل میں شرکت کرتے ہیں تاکہ اس جماعت کے علم

قلندری سے استفادہ کرسکیں۔ اس کتاب کا نام ہے ''تعلیماتِ قلندریہ'' مؤلفہ شاہ محمد تقی حیدر قلندر سجادہ نشین آستانہ کاظمیہ۔ یہ کتاب ان مکتوبات پر مشتمل ہے جو اس سلسلے کے افراد نے اپنے مریدوں اور رشتہ داروں کو لکھے تھے۔

یہ مکتوبات غیر مستند اور غیر معتبر روایات سے معمور ہیں۔ شیخ فریدالدین عطار نے اپنے تذکرۃ الاولیاء میں جس قدر حکایتیں اور داستانیں سپردِ قلم کی ہیں ان میں سے کسی کی سند نہیں لکھی۔ لوگوں نے ان غیر مستند داستانوں کو محض شیخ عطار کی شخصیت اور ان کی بزرگی کے پیش نظر قبول کرلیا یا از راہِ ادب سکوت اختیار کیا۔ اس طرح یہ مضرت رساں رسم حلقۂ صوفیاء میں جاری ہوگئی۔ نہ کسی تذکرہ نویس نے اسناد کا التزام کیا اور نہ مرتب ملفوظات نے تحقیق کی زحمت گوارا کی۔ فقہی تقلید نے پہلے ہی سے ذوقِ تحقیق و تنقید کو مضمحل کر دیا تھا۔ رہی سہی کسر صوفیانہ تقلید نے پوری کر دی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پوری قوم ذوق تحقیق سے بیگانہ ہوگئی۔ ممکن ہے ناظرین و قارئین میری اس حق پژدہی اور راست بیانی سے چین بجبیں ہوں' اس لئے میں ان کے محبوب اور معتمد علیہ شاعر کو اپنی صفائی میں پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

شیر مَردوں سے ہوا بیشۂ تحقیق تہی
رہ گئے صوفی و ملا کے غلام اے ساقی

''یعنی اے خدا! میری قوم میں صدیوں سے کوئی محقق پیدا نہیں ہوا۔ صرف صوفیاء اور فقہاء کے غلام (مقلد) رہ گئے ہیں''۔

ضرف ایک شعر اور سن لیجئے۔

حلقۂ شوق میں وہ جرأتِ رندانہ کہاں
آہ! محکومی و تقلید و زوالِ تحقیق!

صوفیوں کے مکتوبات ہوں یا ملفوظات اور صوفیاء کے تذکرے ہوں یا سوانح حیات' کسی میں اسناد کا التزام نظر نہیں آتا۔ بس ''نقل ہے کہ'' یہ تین لفظ بالکل کافی ہیں۔ ان تین طلسمی الفاظ کے بعد آپ جو چاہیں لکھ دیں۔ قرآن' حدیث' تاریخ' سیرت اور عقل سلیم جس کی چاہیں تردید کر دیں' کوئی شخص آپ پر معترض نہیں ہوگا' بلکہ

یہ بھی دریافت نہیں کرے گا کہ اس روایت کی سند کیا ہے؟ اس لئے پہلے اپنے دعوے پر بہت سے شواہد و دلائل پیش کر چکا ہوں۔ ایک شاہد اسی تعلیماتِ قلندریہ سے پیش کر کے قارئین کی ضیافت یا تفریح طبع کا سامان مہیا کرتا ہوں۔ پہلے محمد کاظم قلندر کا کوروی کی علمی دستگاہ کا حال بیان کرتا ہوں۔ پھر ان کے مکتوب سے صرف ایک فقرہ نقل کروں گا۔

واضح ہو کہ ''عارف باللہ'' شاہ محمد کاظم قلندر ۱۱۵۸ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ انہوں نے علوم درسیہ اپنے زمانے کے بہترین علماء اور اساتذہ مثلاً ملا غلام یحییٰ بہاری اور ملا حمداللہ سندیلی سے حاصل کئے تھے۔ انہوں نے ۱۲۲۱ھ میں وفات پائی۔

چونکہ اس مضمون کے نوے فی صد پڑھنے والے ان عالموں کے علمی مقام سے ناواقف ہیں' اس لئے میں چند سطور ان کے بارے میں لکھنی بھی ضروری سمجھتا ہوں۔ واضح ہو کہ ملا غلام یحییٰ بہاری اپنے زمانے کے بہت نام آور منطقی تھے۔ انہوں نے میر زاہد پر جو حاشیہ لکھا تھا وہ بقول سید سلیمان ندوی مرحوم' درسِ نظامیہ کی معراج ہے اور اسی لئے عرصہ دراز سے نصاب سے خارج ہو چکا ہے کہ اب اس کے پڑھانے والے ''مفقود الخبر'' ہو چکے ہیں۔

نوک کی بات یہ ہے کہ جب منطق اور کلام میں خدا نہ مل سکا تو ملا بہاری مرحوم نے جنید وقت اور بایزید عصر حضرت اقدس میرزا مظہر جان جاناں شہیدؒ کے آستانے کی خاک کو طوطیائے چشم بنایا تب کہیں جا کر محبوبِ حقیقی کا جلوہ نظر آیا۔ بالکل سچ کہا ہے اقبالؒ نے:

مرا از منطق آید بوئے خامی دلیل اُو دلیل ناتمامی
درِ دلہائے بستہ را کشاید دو بیت از پیر رومی یا ز جامی

اب رہے ملا حمداللہ' تو یہ بھی اپنے زمانے کے مشہور منطقی تھے۔ سندیلہ ضلع ہردوئی کے رہنے والے تھے۔ حسن اتفاق دیکھئے کہ انہوں نے اور ان کے ہم عصر قاضی مبارک گوپا موئی دونوں نے سُلم العلوم کی شرح لکھی۔ اس کے دو حصے ہیں۔ تصورات اور تصدیقات۔ اوّل الذکر کی شرح تصورات موسومہ قاضی مبارک اور آخر الذکر کی شرح

تصدیقات موسومہ حمداللہ آج بھی درسِ نظامیہ میں پڑھائی جاتی ہیں- یہ دوسری بات ہے کہ اب ان کے پڑھانے والے بھی خال خال ہی رہ گئے ہیں۔ اور اگر پاکستان میں انگریزی کے اقتدار کا یہی عالم رہا (اور زوال کی کوئی صورت نظر نہیں آتی) تو وہ دن دور نہیں ہے جب غلام یحییٰ کی طرح قاضی اور حمداللہ بھی نصاب سے خارج ہو جائیں گے۔

باز آمدم برسر مطلب' محمد کاظم کی علمی استعداد کا ناظرین کو بخوبی اندازہ ہو گیا ہو گا۔ یہ صاحب اپنے برادر حقیقی میر محمد قلندر کو ایک خط میں لکھتے ہیں ''اگر اتفاق شود نادِ علیؑ ہزار بار وقت پاس آخر شب مداومت کنند لیکن بایں طور کہ برزخ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بصورت آفتاب بدست راست و ایں فقیر را بدست چپ تا خواندن در تصور دارند بسیار فوائد خواہند شد'' ص ۱۴۷

یہ ''عارف باللہ' اپنے بھائی کو ''نادِ علی'' کا وظیفہ پڑھنے کی تلقین کر رہا ہے۔ یہ ''نادِ علی'' کیا ہے؟ یہ داستان قابل ازیں لکھ چکا ہوں اور واضح کر چکا ہوں کہ مہم تبوک میں قطعاً کوئی جنگ واقع نہیں ہوئی تھی لہٰذا جبرئیلؑ کا آنحضرت ﷺ کو یہ مفروضہ دعا تلقین کرنا کہ نادعلیاً مظہر العجائب ..... الخ سراسر بے بنیاد' بے اصل اور دروغ ہے۔ جنگ کا افسانہ اور آنحضرت ﷺ کا یہ دعا پڑھنا بالکل جھوٹ اور بہتان ہے۔ لیکن اس عارف باللہ کو مظفر علی شاہ کی طرح اتنا بھی معلوم نہیں کہ تبوک میں کوئی قتال نہیں ہوا تھا۔ وہ عارف ہونے کے باوجود اس جعلی دعا کو اصلی سمجھ رہا ہے اور اپنے بھائی کو اس کے پڑھنے کی تلقین کر رہا ہے۔ چونکہ ''عارف باللہ'' ہے اس لئے کس میں ہمت ہے کہ اس کی تردید یا تکذیب کر سکے! اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان عارفوں نے اپنی جہالت کی بدولت کتنے مسلمانوں کو گمراہ کیا ہو گا۔

ان مکتوبات میں بہت سی روایات خلاف شرع اور خلاف عقل درج ہیں- دل پر جبر کر کے صرف ایک روایت ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔ شاہ تراب علی قلندر' سفیر شاہ اودھ' امیر عاشق علی خاں بہادر کو لکھتے ہیں کہ

''نقل ہے کہ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کا ایک ہمسایہ تھا جو ان کا پیر بھائی تھا' یعنی خواجہ عثمان ہارونی کا مرید تھا۔ جب وہ مرا تو خواجہ صاحب جنازے کے

ساتھ گئے اور دفن کے بعد اس کی قبر پر مراقب ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ان کا رنگ زرد ہو گیا مگر فوراً بحال ہو گیا۔ کسی نے ان سے اس کا سبب پوچھا تو کہنے لگے کہ دفن کے فوراً بعد عذاب کے فرشتے ان کی قبر میں آن پہنچے مگر اسی وقت میرے پیر بھی آ گئے اور فرشتوں کے منہ پر تھپڑ مار کر بولے کہ ''خبردار! اسے عذاب نہ دینا' کیونکہ یہ میرا مرید ہے''۔ فرشتوں کو (منجانب اللہ) حکم ہوا کہ خواجہ سے کہو کہ یہ شخص آپ (کی تعلیم) کے خلاف زندگی بسر کرتا رہا تھا۔ خواجہ نے یہ سن کر کہا ''تم سچ کہتے ہو' لیکن اس نے (زندگی میں) میرا دامن پکڑا تھا (خود را بہ پلۂ من بستہ است) خواجہ کا یہ جواب سن کر فرشتوں کو حکم ہوا کہ خواجہ کے مرید سے دستبردار ہو جاؤ' اسے خواجہ کے حوالے کر دو' کیونکہ میں نے اسے خواجہ کو بخش دیا''۔

یہ طلسم ہوشربا لکھنے کے بعد شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ پس بلاشبہ ''پیراں شافع مریدان خود می شوند'' (ص ۱۷۵)

میں اس دروغ بے فروغ پر کوئی تبصرہ نہیں کروں گا' صرف اتنا لکھوں گا کہ پیر وہ ہستی ہے جس کے سامنے خدا کی بھی کوئی ہستی نہیں ہے۔ اعوذ باللہ من ذٰلک الخرافات۔ اگر تصوف اسی کا نام ہے اور پیروں کا یہی کام ہے تو ایسے تصوف اور ایسے پیروں سے اللہ تعالیٰ ہر مسلمان بلکہ ہر انسان کو محفوظ رکھے۔ آمین یا ربّ العالمین۔

قلندروں کے ان مکتوبات کے مطالعے سے یہ حقیقت عیاں ہے کہ اس طائفے کا ہر فرد مائل بہ تشیع تھا' بلکہ تفضیلی عقائد رکھتا تھا' یہی وجہ ہے کہ دو سو صفحات کی اس کتاب میں کہیں حضرات صدیق اکبرؓ و فاروق اعظمؓ کا تذکرہ نہیں ہے' حالانکہ اہل سنّت کا اس پر اجماع ہے کہ حضرات شیخینؓ تمام صحابہؓ سے افضل ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ عبدالرحمٰن قلندر لاہر پوری نے مسعود علی قلندر الٰہ آبادی کو جو خط لکھا ہے اس میں صاف لفظوں میں مرقوم ہے کہ ''ولایت نبوت سے افضل ہے' کیونکہ نبوت قید ہے اور ولایت آزادی ہے۔ چنانچہ مولوی رومی فرماتے ہیں ؎

کیست مولیٰ؟ آنکہ آزادت کند　　بند رقیت ز پایت بر کند
زیں سبب پیغمبر با اجتہاد　　نام خویش و آں علی مولا نہاد''
(ص ۱۲۹و۱۳۰)

چونکہ مکتوب عبدالرحمٰن قلندر مذکور کے اس گمراہ کن اقتباس سے اس کتاب کے پڑھنے والوں کے ذہنوں میں خلجان اور اضطراب پیدا ہونا یقینی ہے اسلئے اس باب میں رفع اشتباہ اور ازالۂ ضلالت کے لئے اہل سنت کا مسلک بیان کر دینا ضروری ہے۔

۱) تمام محققین اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ نبوت بہر حال ولایت سے افضل ہے

۲) ''ولایت'' غیر قرآنی اصطلاح ہے۔ قرآن حکیم میں یہ لفظ ''وِلایت'' کہیں مذکور نہیں۔

۳) ولایت علیؓ کا عقیدہ سبائیہ باطنیہ اسمٰعلیہ قرامطہ کا وضع کردہ ہے۔ اسی فرقۂ ضالّہ نے یہ عقیدہ بھی وضع کیا کہ الولایۃ افضل من النبوۃ اور اسی طائفہ باطلہ نے یہ جملہ بعض صوفیاء کی تصانیف میں اپنی طرف سے داخل کر دیا۔ پھر صدیوں تک نقل در نقل ہوتے رہنے کی وجہ سے یہ عقیدہ بعض جاہل سنّی صوفیوں میں خصوصاً غیر متشرع خانوادوں مثلاً شطاریہ، قلندریہ، مداریہ، روشنائیہ، رسول شاہیہ وغیرہم میں مقبول بلکہ مدار علیہ بن گیا۔ چونکہ صوفیاء بالعموم اور یہ طائفے بالخصوص علم حدیث، علم تاریخ اور سیرۃ النبیؐ سے بیگانہ ہوتے ہیں اس لئے کسی صوفی نے زحمت تحقیق گوارا نہ کی اور رفتہ رفتہ جھوٹ سچ بن گیا۔

۴) قارئین کی آگاہی کے لئے یہ وضاحت بھی کئے دیتا ہوں کہ قرآن کی رو سے ہر مؤمن ولی اللہ (اللہ کا دوست) ہے اور خود اللہ ہر مؤمن کا ولی (دوست) ہے۔ ولایت بمعنی دوستی ثمرہ ہے اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لانے کے بعد اعمالِ صالحہ بجا لانے کا، یہی وجہ ہے کہ عقیدۂ ولایت کا قرآن میں کہیں تذکرہ نہیں ہے اور نہ یہ کوئی منصب ہے جو کسی فرد سے مختص کیا گیا ہو جس طرح نبوت ایک منصب ہے جو ختم نبوت سے پہلے بعض افراد کو عطا کیا جاتا رہا ہے۔

۵) ولایت کے لئے ''نصب'' مطلق نہیں ہے، کیونکہ یہ کوئی منصب ہی نہیں

ہے۔ اللہ جانتا تھا کہ باطل پرست ''ولایت علیؓ '' کا عقیدۂ باطلہ وضع کریں گے اور رسول اللہ کی رسالت کا مقصد یہ قرار دیں گے کہ اللہ نے انہیں لوگوں سے ولایت علی کی بیعت لینے کے لئے مبعوث کیا تھا' اسی لئے اللہ نے سارے قرآن میں لفظ وِلایت (واوَ کے زیر کے ساتھ استعمال نہیں فرمایا' تاکہ ظلمت پرستوں کو قرآن سے کوئی سند نہ مل سکے-اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ مِنْ جَمِیْعِ الْمُؤْمِنِیْنَ

۶) قارئین کی تسلیٔ خاطر کے لئے وہ آیت قرآنی ذیل میں درج کرتا ہوں:

﴿ اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ﴾

(البقرہ: ۲۵۷)

''اللہ ان لوگوں کا دوست ہے جو ایمان لاتے ہیں (اس دوستی کا ثمرہ یہ ہے کہ) اللہ انہیں (کفر و شرک و بدعات کی) تاریکیوں سے نکال کر (قرآن اور ہدایت کی) روشنی میں لے آتا ہے''۔

۷) اللہ سے دوستی کرنے (درجہ ولایت پر فائز ہونے) کے لئے کسی واسطے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہر مومن بلاواسطہ ولی اللہ بن جاتا ہے اور اللہ اس کا ولی بن جاتا ہے۔

۸) رومیؒ کے اشعار کا وہ مطلب ہی نہیں ہے جو یہ فاضل قلندر سمجھا ہے اور نہ رومیؒ ایسی گمراہ کن بات کہہ سکتے ہیں۔ان کی مثنوی میں اگر کوئی بات قرآن حکیم کے خلاف نظر آئے تو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ کسی باطنی کی کارستانی ہے یا کسی سبائی کی تدسیس ہے۔

۹) مولوی رومی کہتے ہیں:

کیست مولا؟ آنکہ آزادت کند — بند رقیت زپایت بر کند
چوں بآزادی نبوت ہادی است — مؤمناں را ز انبیاء آزادی است

(دفتر ششم)

مولا (آقا یا ہادی) کون ہے؟ وہ ہے جو تجھے (کفر و شرک کی غلامی سے) آزاد کردے اور غلامی کی زنجیر تیرے پاؤں سے دور کردے۔ چونکہ نبوت آزادی کی راہ دکھاتی ہے اسلئے مؤمنوں کو انبیاء کی بدولت آزادی کی نعمت حاصل ہوتی ہے۔

اب قارئین خود غور کرلیں کہ مولوی رومی کیا کہہ رہے ہیں اور یہ لاہر پوری قلندر کیا کہہ رہا ہے۔ رومی صاف لفظوں میں کہہ رہے ہیں کہ آزادی انسان کو نبوت کی بدولت حاصل ہوتی ہے لیکن قلندر کہہ رہا ہے کہ ولایت کی بدولت حاصل ہوتی ہے' نبوت تو قید ہے!

میری رائے میں قلندر مذکور سراسر معذور ہے۔ جب قلب ونظر میں زیغ پیدا ہو جاتا ہے تو انسان ایسی ہی بہکی بہکی باتیں کیا کرتا ہے۔ یہ تو مثنوی ہے' اگر ایسا آدمی قرآن پڑھتا ہے تو اسے اس میں بھی ولایت ہی نظر آتی ہے۔

اگر قارئین میری اس تلخ گوئی کو برداشت کرلیں گے (کیونکہ سچ ہمیشہ تلخ ہوتا ہے) اور ٹھنڈے دل سے غور کریں گے تو وہ یقیناً مجھ سے متفق ہو جائیں گے کہ آج چودھویں صدی ہجری میں اہل سنت کی اکثریت کے عقائد میں شرک و بدعت کی آمیزش کا سب سے بڑا سبب یہی غلط روایات ہیں جو صدیوں سے تصوف کی کتابوں میں راہ پا چکی ہیں اور بزرگوں سے منسوب ہو جانے کی وجہ سے شک وشبہ یا تنقید سے بالاتر ہو چکی ہیں۔

یہ شور تو ہر طرف برپا ہے اور یہ کلمہ تو ہر واعظ اور ہر خطیب کی زبان پر ہے کہ مسلمان قرآن سے بیگانہ ہو چکے ہیں' مگر یہ کوئی نہیں بتاتا کہ اس بیگانگی کے اسباب کیا ہیں؟ اس کی وجہ میں بتائے دیتا ہوں۔ اگر وہ ماخذ اور منبع کی نشاندہی کرنے کی غلطی کریں گے تو ان کی شہرت' عزت اور ہر دل عزیزی ایک ہی تقریر کے بعد ختم ہو جائے گی اور چند روز کے بعد ان کی دکان بند ہو جائے گی۔ جسے شک ہو وہ تجربہ کر کے دیکھ لے۔ وَاللّٰہُ عَلٰی مَا اَقُوْلُ شَھِیْدٌ۔

نظام القلوب مصنفہ شیخ نظام الدین چشتی اورنگ آبادی میں حضرت مصنف نے جہاں اور بہت سے اذکار درج کئے ہیں وہاں صفحہ ۳۰ پر یہ ذکر بھی لکھا ہے: ''ذکر پنج فرقی' جانب ایمن یا محمدؐ جانب ایسر یا علیؓ جانب بالا یا فاطمہؓ درپیش یا حسنؓ' در دل یا حسینؓ''۔

یہ عاجز اس ذکر کو پڑھ کر سخت حیران ہوا کہ شاہ صاحب نے یہ ذکر کیسے درج کر

دیا' یہ تو سراسر خلافِ ارشادِ خداوندی ہے' اسلئے ناجائز بھی ہے اور شرک بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ذکر کو اپنی ذات سے مختص فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝﴾

''اور اللہ کا ذکر بکثرت کرو تا کہ تم فلاح پاؤ''۔

پورا قرآن حکیم ذکر اللہ کی تاکید و تلقین سے بھرا ہوا ہے۔ اللہ نے کسی جگہ بھی غیر اللہ کے ذکر کا حکم نہیں دیا ہے' کیونکہ غیر اللہ میں تو کسی قسم کی بھی طاقت یا قوت نہیں ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَالَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهٖ ۭ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝﴾ (یونس: ۱۰۶، ۱۰۷)

''(اے انسان) اللہ کے سوا کسی کو مت پکار جو نہ تجھے نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان پہنچا سکتا ہے۔ پس اگر تو غیر اللہ کو پکارے گا تو اسی وقت ظالموں میں سے ہو جائے گا۔ اگر اللہ تجھے کسی مصیبت میں گرفتار کر دے تو اللہ کے سوا کوئی انسان اس مصیبت کو دور نہیں کر سکتا اور اگر اللہ تیرے ساتھ کسی بھلائی کا ارادہ کرے تو کوئی انسان اس کے فضل کو رد نہیں کر سکتا۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے بھلائی پہنچاتا ہے اور وہ غفور اور رحیم ہے''۔

سارا قرآن شرک کی مذمت اور توحید کی تلقین سے بھرا پڑا ہے۔ کلمہ طیبہ کا مطلب ہی یہ ہے کہ پہلے غیر اللہ کی نفی کرو' پھر اللہ کا اثبات کرو۔ غیر اللہ میں کوئی قدرت یا طاقت نہیں ہے۔ چنانچہ اکبر الہ آبادی لکھتے ہیں:

جو غیر خدا کو مانتا ہو قادر　　اکبر بخدا کہ وہ مسلمان ہی نہیں!

تصوف تو نام ہی ہے لوحِ دل سے نقشِ غیر کو مٹانے کا۔ جو تصوف غیر اللہ کے نام کو دل میں جاگزیں کرنے کی ہدایت کرتا ہے وہ تصوف نہیں ہے' بلکہ سراسر گمراہی اور ضلالت ہے۔ یہ ذکر بیخ فرقی وہی تلقین کر سکتا ہے جو غیر اللہ کو قادر یقین کرتا ہو' یعنی

مشرک ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرنے کا بھی حکم نہیں دیا تو دوسرے افراد کس شمار میں ہیں۔

اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ شاہ صاحب نے یہ ذکر' جو دراصل شرک ہے' کس طرح اپنی تصنیف میں درج کر دیا۔ اس ذکر کی سند قرآن کے علاوہ کسی حدیث سے بھی نہیں مل سکتی' اور مل بھی کیسے سکتی ہے؟ آنحضرت ﷺ قرآن کے خلاف کوئی حکم کیسے دے سکتے ہیں؟

میں پورے یقین کے ساتھ لکھتا ہوں کہ غیر اللہ کے ذکر سے دل میں نور کے بجائے ظلمت پیدا ہوگی اور ذکر اطمینان قلب سے محروم ہو جائے گا' کیونکہ اللہ فرماتا ہے:

﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۝﴾ (الرعد : ۲۸)

''آگاہ ہو جاؤ کہ قلوب صرف ذکر اللہ سے اطمینان (سکون) حاصل کر سکتے ہیں۔''

۵) سیّد سلامت علی شاہ قادری کی تصنیف موسومہ حقائق و معارف القدر کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ قادری' سہروردی اور چشتی' ان تینوں سلسلوں کے اکثر و بیشتر افراد حضرت علیؓ کو وصی نبی یقین کرتے ہیں' حالانکہ یہ عقیدہ اہل سنت والجماعت کے اجماعی عقائد کے سراسر خلاف ہے کہ حضرت علیؓ آنحضرت ﷺ کے وصی تھے۔ یہ عقیدہ تو عبداللہ بن سبا یہودی فرقہ ضالہ سبائیہ کی ایجاد ہے اور سبائیت کی تمام شاخوں کا اور اُن سے جس قدر فرقے نکلے' سب کا سنگ بنیاد ہے بلکہ اہل سنت اور سبائیت کے درمیان مابہ الامتیاز ہے۔ جو سنّی صوفی خواہ چشتی ہو یا قادری' یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ حضرت علیؓ وصی رسول ﷺ تھے' وہ دوسرے لفظوں میں تینوں خلفائے راشدینؓ کو ''غاصب'' تسلیم کرتا ہے۔ خواہ وہ مصلحتاً یا تقیۃً زبان سے اس کا اقرار کرے یا نہ کرے۔

چنانچہ مذکورہ بالا کتاب کا جاہل مصنف آغازِ کتاب میں لکھتا ہے:

''ہدیہ سلام علی درپائے ولایت علی ولی وصی نبی..... الخ''

اس کے بعد لکھتا ہے ''وعلی ذریتہ الحسن والحسین..... الخ''

صفحہ ۶ پر یہ رباعی لکھی ہے:

یا ربّ برسالت رسول الثقلین　　یا ربّ بغزا کنندۂ بدر و حنین
عصیان مرا دو حصہ کن در عرصات　　نیمے بحسن بخش و نیمے بحسین

پوری کتاب میں حضرات شیخین کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ ان پر ہدیہ سلام بھیجنا تو خارج از بحث ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس شخص کے اسلوب نگارش اور ایک سبائی کے اسلوب میں کیا فرق پایا جاتا ہے؟ وہ بھی رسول کے بعد حضرت علیؓ کا ذکر کرتا ہے اور انہیں وصی قرار دیتا ہے۔ اس نام نہاد سنّی قادری نے بھی رسول کے بعد یک لخت حضرت علیؓ کا ذکر کیا ہے اور انہیں وصی قرار دیا ہے۔

اس کتاب کی دوسری جلد میں صفحہ ۱۳۷ پر یہ غیر اسلامی عقیدہ درج ہے:

''معدن الجواہر میں ایک روایت نقل کی گئی ہے (۲۹) کہ مقتدائے زماں امین خاں سے منقول ہے کہ ایک رات میں اپنے گھر میں بیٹھا تھا کہ حضرت قطبی ابوالفتح شاہ شمس الدین شیخ محمد شریف قادری ملتانی کو دیکھا کہ دایاں ہاتھ بند کئے ہوئے میرے سامنے کھڑے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میری ہتھیلی کو دیکھ۔ جب میں نے ایسا کیا تو پوچھا کیا دیکھا؟ میں نے کہا محمد ﷺ کو۔ فرمایا اب پھر دیکھ۔ میں نے پھر ہتھیلی کی طرف دیکھا۔ پوچھا اب کسے دیکھا؟ میں نے کہا علیؓ کو۔ فرمایا پھر دیکھ میں نے پھر دیکھا۔ فرمایا چہ دیدی؟ (کیا دیکھا یا کسے دیکھا؟) میں نے کہا عبدالقادر جیلانیؒ کو۔ فرمایا تجھ پر لازم ہے کہ کبھی ان تینوں میں فرق نہ کرنا۔ محمد ﷺ، علیؓ اور عبدالقادرؒ، یہ تینوں بظاہر تین وجود نظر آتے ہیں مگر باطناً (باعتبار باطن) ایک وجود ہیں اور معیت تامہ رکھتے ہیں۔ مبارک ہے وہ جو یہ اعتقاد رکھے اور ناقص ہے وہ جو اس کے خلاف (ان کو تین) سمجھے..... شاہ نعمت اللہ کرمانی (شیعہ صوفی) نے بھی اپنے اس شعر میں اس یعنی کو واضح فرمایا ہے:

مصطفیٰ را مرتضیٰ دان، مرتضے را مصطفیٰ
خاک در چشم دو بینان دغا باید زدن

---

۲۹) اس نام کی ایک کتاب شیخ عطار سے بھی منسوب ہے مگر یہ وہ نہیں ہے بلکہ یہ کسی ہندی باطنی کی تصنیف کثیف ہے۔

یہ روایت مذکورہ بالا (کہ تینوں ایک ہیں) ان احادیث مندرجہ ذیل کی روشنی میں معیت تامہ پر دلالت کرتی ہے:

ا) ((لَحْمُکَ لَحْمِیْ وَدَمُکَ دَمِیْ))
''تیرا گوشت میرا گوشت ہے اور تیرا خون میرا خون ہے''۔

ب) ((اَنَا وَعَلِیٌّ مِنْ نُوْرٍ وَّاحِدٍ))
''میں اور علی ایک ہی نور سے (مخلوق) ہیں''۔

ج) ((اَنَا اَنْتَ وَاَنْتَ اَنَا یَا عَلِیُّ))
''اے علی میں تُو ہوں اور تُو مَیں ہے''۔

(انتہیٰ بالفاظہٖ ص ۳۳۸ ج دوم)

یہ روایت تو میں نے دل پر جبر کر کے نقل کر دی ہے' اب اس پر تنقید کرنے کے لئے فولاد کا جگر کہاں سے لاؤں؟ اگر قطبی ملتانی زندہ ہوتے تو ان سے عرض کرتا کہ یا حضرت! اس عقیدے میں اور نصاریٰ کے عقیدے میں کیا فرق ہے؟ وہ بھی تو یہی کہتے ہیں کہ باپ' بیٹا اور روح قدس اگرچہ ظاہراً تین ہیں مگر باطناً ایک ہیں۔

عجیب بات ہے کہ اللہ تو یہ فرمائے کہ جو یہ عقیدہ رکھے وہ کافر ہے: ﴿لَقَدْ کَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰہَ ثَالِثُ ثَلٰثَۃٍ﴾ اور آپ یہ کہیں کہ جو یہ عقیدہ رکھے وہ بہت مبارک ہے!

دوسرا سوال یہ ہے کہ یہ مزعومہ احادیث جن سے آپ نے معیت تامہ پر استدلال کیا ہے' اہل سنت کی مسلمہ ومتداولہ کتب احادیث میں سے کون سی کتاب میں مندرج ہیں؟ یا ان کی سند کیا ہے؟

یہ عاجز بڑے ادب مگر بڑے وثوق کے ساتھ یہ کہنے کی اجازت چاہتا ہے کہ انہی روایات کا کرشمہ ہے کہ آج چودھویں صدی ہجری میں حیدر آباد دکن' گلبرگہ' اورنگ آباد' پیران کلیر' بریلی' بدایوں' دہلی' اجمیر' دیوہ' ردولی' کچھوچھہ' ماہریرہ' لاہور' پاک پتن' ملتان' اچ' جلالپور پیروالا' سیہون' درازہ' حجرہ شاہ مقیم اور بھٹ شاہ کے اکثر مزارات سبائیت اور باطنیت کے فروغ وشیوع کے مرکز بن گئے ہیں۔

نیز یہ مسکین بصمیم قلب اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ اس دورِ عقلیت میں اگر دین اسلام سے واقف مسلمان تصوف اور صوفیوں سے بدظن نظر آتے ہیں اور تصوف کو ''بے راہ روی'' سے تعبیر کرتے ہیں تو حق بجانب ایشان است۔ کیونکہ انہیں نہ اس کی ضرورت ہے نہ فرصت ہے کہ وہ اس عاجز کی طرح قوتِ لایموت اور رزق مایحتاج پر قناعت کر کے بیس بائیس سال تک گوشہ میں بیٹھ کر تیسری صدی ہجری سے لے کر تا عصر حاضر تصوف کی تمام کتابوں کو کھنگالیں اور کھوٹے کو کھرے سے جدا کریں اور اس کے صلے میں غیروں کی گالیاں اور اپنوں کے طعنے سنیں۔

الحمدللہ کہ یہ عاصی وکم سواد قرآن وحدیث کے مطالعے کی بدولت اس حقیقت سے آگاہ ہو چکا ہے کہ تصوف شرعی اصطلاح میں احسان کا معروف نام ہے (اگرچہ بدنام ہو چکا ہے) اور دراصل عبارت ہے تزکیۂ نفس سے جو مقصودِ حیات بھی ہے اور بعثت نبوی کی غایت بھی ہے۔ اس لئے یہ طریق درہمہ حال' مقید بالکتاب اور مشید بالسنۃ رہنا چاہئے۔ اس لئے تینوں کو ایک سمجھنا نصرانیت یا باطنیت کی تعلیم تو ہو سکتی ہے اسلام کی تعلیم ہرگز نہیں ہو سکتی اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ھٰذِہِ الْخُرَافَاتِ۔

۶) اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اپنی ذات کو مؤمنوں کی محبت کا مرکز قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے ﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ﴾ ''جو لوگ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں (ان کی شناخت یہ ہے کہ) وہ اللہ کی محبت میں بغایت شدید ہوتے ہیں''۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو مرکز محبتِ مؤمنین اس لئے بنایا ہے کہ وہ اپنی جانیں اور اپنے اموال اللہ کی راہ میں قربان کر سکیں۔ کیونکہ انسان کی فطرت ہی یہ ہے کہ وہ اپنے محبوب پر اپنی جان اور اپنا مال بخوشی قربان کر دیتا ہے۔ صحابہؓ میں حضرت صدیق اکبرؓ کو جو افضلیت حاصل ہے اس کا سب سے بڑا سبب یہی بذل اموال فی سبیل اللہ ہے۔ چنانچہ کوئی صحابی اس وصفِ خاص میں صدیق اکبرؓ کا ہمسر نہیں ہے۔ قرآن مجید کی یہ آیت اس پر شاہد ہے:

﴿وَسَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَی ۝ الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَکّٰی ۝﴾ (الیل: ۱۷'۱۸)

''اور یقیناً (اس آگ سے وہ) سب سے بڑا پرہیزگار (متقی) دور رکھا جائے گا جو اپنا

مال (اللہ کی راہ میں) دیتا ہے تا کہ وہ پاک ہو جائے''۔

یہ آیت جیسا کہ تمام مفسرین نے لکھا ہے کہ صدیق اکبرؓ کی شان میں نازل ہوئی ہے اس لئے ''اتقیٰ'' (سب سے بڑا متقی) کا مصداق صدیق اکبرؓ ہیں۔

اب اس آیت پر غور کرو: ﴿اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقٰکُمْ﴾ ''بلاشبہ اللہ کی بارگاہ میں تم لوگوں میں سب سے زیادہ مکرم (افضل) وہ ہے جو تم لوگوں میں سب سے بڑا متقی ہے''۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ حضرت صدیق اکبرؓ (سب سے زیادہ معزز ہیں) اس لئے تمام مفسرین، محدثین، فقہاء اور متکلمین کا یہ مذہب ہے کہ صدیق اکبرؓ افضل الصحابہ اور اس لئے انبیاء کے بعد افضل الناس میں ہیں۔ رضی اللہ عنہ۔

پیروانِ ابنِ سبا نے مسلمانوں پر سب سے بڑا ظلم یہ کیا کہ اللہ کے بجائے حضرت علیؓ کو ان کی محبت کا مرکز بنا دیا اور اس مقصد کے لئے بہت سی روایتیں وضع کی گئیں۔ جن میں سے ایک ذیل میں درج کی جاتی ہے:

قاضی نور اللہ شوستری (مقتول بحکم جہانگیر در ۱۰۱۹ھ) نے اپنی مشہور تصنیف احقاق الحق جلد ہفتم صفحہ ۱۵۲ میں یہ روایت درج کی ہے:

> اذا سمعتُ النداء من قبل اللّٰہ یا محمد من تحب ان یکون معک فی الارض؟ فقلتُ احب من یحبه العزیز الجبار و یامر بمحبته. فسمعتُ النداء من اللّٰہ یا محمد احب علیا فانی احبه و احب من یحبه. فبکی جبریل و قال لو ان اهل الارض یحبون علیا کما تحبه اهل السماء ما خلق اللّٰہ النار

''آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ (شب معراج میں) اللہ کے سامنے یہ ندا سنی گئی کہ اے محمدؐ تو کس سے محبت کرتا ہے کہ وہ دنیا میں تیرا رفیق ہو؟ میں نے کہا میں اس سے محبت کروں گا جس سے العزیز الجبار (خدا) محبت کرتا ہے اور اس کی محبت کا مجھے حکم دے۔ پس میں نے اللہ کے سامنے یہ ندا سنی کہ یا محمدؐ تو علی سے محبت کر، کیونکہ میں اس سے محبت کرتا ہوں اور جو شخص اس سے محبت کرے اس سے (بھی) محبت کرتا ہوں۔ یہ سن کر جبریل رونے لگا اور کہا کہ اگر اہل زمین

بھی علیؓ سے ایسی محبت کرتے جیسے کہ اہل آسمان اس سے محبت کرتے ہیں تو اللہ دوزخ کو پیدا ہی نہ کرتا''۔ (ختم شد لفظی ترجمہ)

فرقہ سبائیہ نے یہ روایت وضع کی اور ان کے جانشینوں یعنی باطنیہ نے صوفیوں کا لبادہ پہن کر اس روایت کو سنیوں کے دماغوں میں جاگزیں کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی اکثریت ایزد پرستی کے بجائے شخصیت پرستی میں مبتلا ہوگئی اور اللہ ان کی نگاہوں سے اوجھل ہوگیا اور انہوں نے اللہ کے بجائے ایک شخص کو اپنی محبت کا مرکز بنالیا۔ چنانچہ شاہ تراب علی قلندر کاکوروی اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

'' حب حضرت امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ در ضمیر ماست کہ ہم از اولاد آنحضرت ایم وہم سلسلہ مشائخ ما بآنحضرت می رسد چگونہ مراحب آں جناب نباشد؟ شما در تعصب مذاہب گرفتار نباشند۔ آنچہ مذہب حنفیہ است براں باشند''۔ (تعلیمات قلندریہ صفحہ ۱۷۷)

شاہ صاحب کی اس عبارت سے ثابت ہوا کہ حبِ علی ان کا خمیر ہے۔ اب معمولی عقل والا بھی اس حقیقت سے واقف ہے کہ انسان جسے محبوب رکھتا ہے اسی کو سب انسانوں میں افضل اور اعلیٰ اور برتر یقین کرتا ہے۔ یہ عقلاً ناممکن ہے کہ ایک شخص محبوب تو رکھے حضرت علیؓ کو اور افضل یقین کرے حضرت صدیق اکبرؓ کو، پس جو شخص فی الجملہ حضرت علیؓ کو افضل سمجھتا ہے وہ اہل سنّت والجماعت کے دائرے سے باہر ہے، کیونکہ تشیع اور تسنّن میں بنیادی فرق ہی یہ ہے کہ شیعہ حضرات حضرت علیؓ کو افضل مانتے ہیں اور سنی حضرات حضرت صدیق اکبرؓ کو افضل مانتے ہیں۔ چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی مشہور اور مستند تصنیف ''تکمیل الایمان شرح شرح عقائد نسفی'' میں یوں رقم طراز ہیں:

و الخلفاء الاربعة افضل الاصحاب و فضلهم علی ترتیب الخلافة

''چاروں خلفاء تمام صحابہؓ سے افضل ہیں اور ان چار کی بزرگی ان کی خلافت کی ترتیب کے موافق ہے''۔ یعنی پہلے صدیق اکبرؓ، پھر فاروق اعظمؓ، پھر حضرت عثمانؓ، پھر حضرت علیؓ (اردو ترجمہ تکمیل الایمان، صفحہ ۶۸)

باز آمدم برسر مطلب۔ شوستری نے جو روایت نقل کی ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف ایک شخص سے محبت کرتا ہے' حالانکہ قرآن حکیم ناطق بالصواب ہے کہ ﴿اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًّا کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝﴾ (الصف: ٤) ''بلاشبہ اللہ محبت کرتا ہے ان لوگوں سے جو قتال کرتے ہیں اس کی راہ میں صف باندھ کر کہ گویا کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں''۔

اب مسلمانوں کو اختیار ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کو تسلیم کریں یا شوستری کی نقل کردہ روایت کو۔ میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا ہاں اقبال کے مرشد معنوی حضرت اکبر الہ آبادی مرحوم کی ایک رباعی نقل کئے دیتا ہوں جو ایک مقالے سے بھی زیادہ مؤثر ہے:

سر رشتۂ اتحاد ہم سے چھوٹا — آپس ہی کی خانہ جنگیوں نے لوٹا
قرآن کے اثر کو روک دینے کے لئے — ہم لوگوں پہ راویوں کا لشکر ٹوٹا

ایک شعر مزید کا بھی درج کئے دیتا ہوں:۔

حقیقت خرافات میں کھو گئی — یہ امت روایات میں کھو گئی

۷) سید محمد گیسو (۳۰) دراز جن کا مزار گلبرگہ (دکن) میں ہے' اپنی مشہور تصنیف جوامع الکلم میں لکھتے ہیں:

''خلافت آنحضرت ﷺ بر دو گونہ است' یکے خلافت صغریٰ کہ مراد از خلافت ظاہری است۔ دوم خلافت کبریٰ کہ مراد از خلافت باطنی است ومخصوص بحضرت علی است''۔

اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ سیّد صاحب نے یہ تقسیم کس بنیاد پر کی ہے۔ قرآن حکیم یا کسی صحیح حدیث سے تو اس کی تائید ہرگز نہیں ہوتی۔ قرآن میں تو صرف ایک ہی قسم کی خلافت کا ذکر ہے:

---

۳۰) گولکنڈے کا آخری شیعہ بادشاہ ابوالحسن المعروف بہ تاناشاہ' شاہ راجو قتال کا نہایت مخلص مرید تھا جو گیسو دراز کی اولاد میں سے تھے۔ چونکہ کوئی شیعہ بقائمی ہوش وحواس کسی سنی کا مرید نہیں ہوسکتا اس لئے راجو قتال کے شیعہ ہونے میں کوئی شک نہیں ہے اور گیسو دراز کا مذہب ان کی مذکورہ بالا تقسیم سے ظاہر ہے۔

﴿وَعَدَاللّٰهُ الَّذِينَ اٰمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا﴾ (النور: ۵۵)

''(صحابہ کرامؓ سے خطاب ہے) اللہ نے تم میں سے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ انہیں ضرور ملک کی حکومت عطا کرے گا (خلیفہ بنائے گا زمین میں) جیسا کہ ان سے پہلوں کو عطا کی تھی اور ان کے لئے جس دین کو اس نے پسند کیا ہے ضرور مستحکم کر دے گا اور یقیناً ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا''۔

جیسا کہ تمام مفسرین کا اس پر اجماع ہے' یہ تینوں وعدے حضرات شیخینؒ کے مبارک عہد میں پورے ہو گئے۔ اس خلافت ارضی کے علاوہ قرآن حکیم میں نہ صغریٰ کا ذکر ہے نہ کبریٰ کا اور نہ ظاہری کا بیان ہے نہ باطنی کا۔ جیسا کہ اہل علم جانتے ہیں ''باطنیت'' کا تصور صحابہ کے زمانے میں پیدا ہی نہیں ہوا تھا۔ یہ تو سبائیہ اسمٰعیلیہ قرامطہ باطنیہ کے دماغوں کی اپج ہے اور اسی لئے انہیں باطنیہ کہتے ہیں۔ سیّد گیسو دراز بھی انہی باطنیہ کے ہمنوا نظر آتے ہیں۔ اور مجھے اس فصل میں یہی دکھانا ہے کہ باطنیہ کے عقائد اکثر سنّی صوفیوں کے دل ودماغ میں راسخ ہو چکے ہیں۔

۸) چونکہ باطنیہ کے تمام بنیادی عقائد (basic doctrines) قرآنی تعلیمات کے خلاف ہیں اس لئے انہوں نے سب سے زیادہ توجہ اس بات پر مبذول کی کہ جس طرح ہو سکے اہل سنّت کو قرآن سے بیگانہ بنا دیا جائے' تاکہ وہ غیر قرآنی عقائد کو قبول کر سکیں۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے سب سے پہلا کام تو یہ کیا کہ تصوف کا لباس زیب تن کیا (۳۱) اور صوفی بن کر اپنے عقائد عوام اہل سنّت میں شائع کر دیئے۔ دوسرا

(۳۱) اگرچہ اس کے شواہد قبل ازیں پیش کر چکا ہوں تاہم ایک شاہد اور پیش کئے دیتا ہوں: ''رسالہ درحقیقت دین'' مصنف شہاب الدین شاہ ولد علی شاہ (باطنیہ نزاریہ شاخ کا ۴۷واں امام) کے دیباچے میں پروفیسر آئی وے ناف لکھتا ہے:

''یہ بات بخوبی مشہور ہے کہ فرقہ اسماعیلیہ نے ایران میں مجبوراً اپنی تصانیف کو فلسفہ تصوف کے لباس میں مخفی کیا اور بلاشبہ فلسفہ اسماعیلیت اور فلسفہ تصوف میں بہت سے ⇐

کام یہ کیا کہ علم الاعداد ایجاد کر کے اسے حضرت علیؓ سے منسوب کر دیا۔ ہر عدد کو خاص تاثیر کا حامل قرار دیا اور تعویذ و طلسم لکھ کر عوام میں تقسیم کرنا شروع کئے۔ اس طرح عوام اُن کے معتقد ہو گئے۔ اس کے ساتھ ساتھ قرآنی آیات کے نقوش مرتب کئے اور ان سے غیر معمولی فوائد منسوب کر دیئے۔ چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد تصوف اور تعویذ لازم و ملزوم ہو گئے۔ صحابہ کرامؓ قرآنی آیات پر عمل کرتے تھے اور ان باطنی صوفیوں کے زیر اثر آ کر مسلمانوں نے قرآنی آیات کو لکھ کر گلے میں ڈالنا شروع کر دیا۔

جو قرآن مجید تہران سے ۱۳۳۷ء خورشیدی میں شائع ہوا ہے اس میں بہت سے نقوش بھی درج کئے گئے ہیں۔ چنانچہ صفحہ ۱۰۸ پر یہ عبارت مرقوم ہے:

''نقل است از خاتم المجتہدین شیخ بہاؤ الدین عاملی کہ ہر کہ در عمر خود یک بار برایں شکل نظر کند آتش دوزخ بروے حرام گردد''۔

وہ شکل یہ ہے:

⇐ امور مشترک ہیں''۔

یہ رسالہ فارسی میں ہے' آئی وے ناف نے اس کا دیباچہ انگریزی میں لکھا ہے۔ ۱۹۳۳ء میں بمبئی سے شائع ہوا تھا۔ میں قصداً اس رسالے سے تین اقتباسات ذیل میں درج کرتا ہوں تاکہ میرا دعویٰ ثابت ہو سکے کہ باطنیہ نے تصوف کے پردے یا لباس میں اپنے عقائد کی اشاعت کی اور سنی صوفیوں نے ان کے عقائد کو دانستہ یا نادانستہ طور پر اختیار کر کے اسلامی تصوف کو کفر و اسلام کا ملغوبہ بنا دیا اور اب غیر اسلامی عقائد کو تصوف سے خارج کرنا ایسا ہی مشکل ہے جیسا کہ گوشت کو ناخن سے جدا کرنا۔

(الف) فصل پنجم در معرفت: در حدیث قدسی می فرماید ''اے محمد! اگر تو نبودے آسمانہا را خلقت نمی کردم۔ دور جائے دیگر است''۔ ''اگر علی نبودے ترا خلقت نمی کردم''۔ از آیت چناں معلوم می شود کہ ''اگر رسول' ولایت اور اظاہر نمی ساخت رسالت ناقص بود۔ پس ایں ہم اسباب آفرینش وارسال رسل وانزال کتب برائے شناختن او (علی) بود''۔ ص ۱۳

(ب) ''اے جلوۂ حق! چہ طور آشکارا شدی کہ ہمہ فکر ہا در تو متحیر ماندند۔ خوشا جمالِ ازل خویش را پنہاں ساختی وایں طور آشکارا شدی کہ جمعے ضدایت خواندند''۔ ص ۲۱

(ج) ''محمد وعلی ہر دو یک نور بودند..... درمیان مردم بدو لباس جلوہ نمودند''۔ ص ۲۴

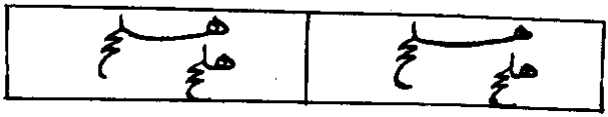

هــلج هلج	هــلج هلج

میں نے افادۂ عام کے لئے یہ شکل بجنسہٖ نقل کر دی ہے۔ اس نوعیت کے نقوش اس قرآن کے صفحہ ۱۰۲ سے صفحہ ۱۱۰ تک کثیر تعداد میں درج کئے گئے ہیں۔ میں اس قدر عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جب نقش مرقومہ بالا کے صرف ایک مرتبہ دیکھ لینے سے دوزخ حرام ہو جائے گی تو قرآن مجید کی تلاوت یا اس کے سمجھنے کی کیا ضرورت باقی رہ گئی۔

رفتہ رفتہ مسلمان اس طلسم میں گرفتار ہو گئے۔ چنانچہ اس سلسلے میں ایک کتاب نظر سے گزری جس کا نام دارالنظیم ہے۔ یہ کتاب امام الفن عبداللہ بن یافعی الیمنی کی تصنیف ہے اور مطبع نول کشور لکھنؤ سے ۱۸۸۵ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس میں صفحہ ۶۱ پر ''اسم اعظم'' بایں صورت مرقوم ہے:

اس کے ساتھ ایک نظم بھی لکھی ہے جسے حضرت علیؓ سے منسوب کر دیا ہے۔ صفحہ ۱۲۶ پر بضمن خواص سورۂ نور یہ عبارت مرقوم ہے جسے میں بجنسہٖ نقل کئے دیتا ہوں۔ ترجمہ کرنے سے قصداً احتراز کرتا ہوں:

"من کتبها و جعلها فی فراشه الذی ینام فیه لم یحتلم ابداوان کتبت بماء زمزم و شربها انقطع عنه شهوة الجماع و ان جامع لم یجد لذته".

غالباً یہ مصرعہ انیس کا ہے ؏ ''دل صاحب اولاد سے انصاف طلب ہے''

میں اس میں قدرے تغیر کر کے کہتا ہوں۔

دل صاحب ایمان سے انصاف طلب ہے
قرآن سے یہ دل لگی! اُف کیسا غضب ہے

قرآن حکیم پر یہ ظلم تو شاید کافروں نے بھی نہیں کیا ہوگا جو اس امام الفن نے کیا۔

بہر حال باطنی اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ آج مسلمانوں میں قرآن کی جو حیثیت رہ گئی ہے اسے اقبال کے لفظوں میں بیان کرتا ہوں۔

بآیاتش ترا کارے جز ایں نیست
کہ از یٰسین او آسان بمیری

۹) شاہ نیاز احمد صاحب بریلوی سلسلہ چشتیہ کے مشہور مشائخ میں سے ہیں' لیکن انہوں نے اپنے دیوان میں جو مناجات لکھی ہے اس میں حضرت علیؓ کو ''وصی نبی'' تسلیم کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے بحق دوازدہ ائمہ شیعہ التجا کی ہے۔ انتہا یہ ہے کہ شیخ جیلانیؒ کو بھی واسطہ بنایا ہے مگر افضل الاولیاء والائمہ بلکہ افضل الصحابہؓ حضرت صدیق اکبرؓ کا کہیں تذکرہ نہیں کیا ہے۔ پوری مناجات تو بخوفِ طوالت نقل نہیں کرسکتا' صرف ایک شعر درج کرتا ہوں۔

بحق امامِ علیؓ مرتضی
وصی نبی و ولی خدا

شاہ صاحب چونکہ عالم دین تھے اس لئے یہ حقیقت ان سے مخفی نہیں ہوسکتی تھی کہ اہل سنّت اور اہل تشیع میں یہ عقیدہ (کہ علی وصی نبی تھے) مابہ النزاع بھی ہے اور مابہ الامتیاز بھی ہے۔ تمام اہل سنّت کا اجماعی عقیدہ یہ ہے کہ حضور انور ﷺ نے کسی کو اپنا وصی مقرر نہیں کیا' مگر شاہ صاحب حضرت علیؓ کو صاف لفظوں میں وصیٔ نبی تسلیم کررہے ہیں۔ بلکہ ایک غزل میں بھی اپنے اسی عقیدے کا اظہار کیا ہے۔

ولیٔ حق وصی مصطفےٰ دریائے فیضانے
امام دو جہانے قبلۂ دینے و ایمانے

اندریں حالات اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ شاہ صاحب بظاہر سنّی تھے' مگر بباطن شیعہ تھے' کیونکہ مناجات درکنار' انہوں نے اپنے پورے دیوان میں کسی جگہ صدیق اکبرؓ یا فاروق اعظمؓ کا ذکر نہیں کیا ہے اور یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے۔ ہمارے زمانے میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو بظاہر سنّی ہیں مگر حضرات عثمان غنیؓ عمرو بن العاصؓ اور معاویہؓ کی تنقیص وتوہین وتحقیر میں شیعہ حضرات کے ہمنوا بھی ہیں اور اس ہمنوائی پر اصرار بھی کرتے ہیں۔

۱۰) یہ مضمون چونکہ بہت طویل ہو چکا ہے اس لئے دیگر کتب مثلاً گلزارِ صابری'

مناقب المحبوبین، سبع سنابل، تذکرۃ الاولیاء، سید الاقطاب، مرأۃ الاسرار، جامع السلاسل، حبیب السیر، شواہد النبوت، روضۃ الصفا، مقصد اقصیٰ، تحفۃ الراغبین، بہجۃ الاسرار، زبدۃ الحقائق اور جوامع الکلم وغیرہم میں جو غلط روایات درج ہیں ان کی تفصیل سے قلم کو روکتا ہوں۔ ان کتابوں کی اکثر روایات بالکل غلط ہیں اور اکثر روایات بہت ہی ضعیف اور ناقابل اعتبار ہیں۔ کسی روایت کی سند بیان نہیں کی گئی ہے۔ صرف ''منقول است'' کے نسخہ مجرب پر عمل کیا گیا ہے۔

آخر میں ملا علی قاری کی مشہور کتاب ''موضوعات'' سے چند اقتباسات درج کر کے اس موضوع کو ختم کرتا ہوں

ا) سیرۃ النبی کا اوّلین مصنف ابن اسحاق چونکہ شیعہ تھا اس لئے.....اس نے اکثر ایسی روایتیں بھی درج کر دیں جن سے اس کے مذہب کی تائید ہو سکے۔ مثلاً خیبر کا دروازہ اکھیڑنے کی روایت۔

ب) ''کنت کنزا مخفیا'' الخ حدیث نہیں ہے (۳۲)

ج) تاریخوں میں خلیفہ منتخب ہونے کے بعد حضرت عثمانؓ کے خطبہ نہ دے سکنے کی روایت بھی غلط ہے۔

د) ''کان اللہ و لم یکن معہ شیء'' یہ بھی حدیث نہیں ہے۔

ہ) ائمۃ الحدیث کے نزدیک حضرت علیؓ سے حسن بصری کی ملاقات اور تحصیل علم ثابت نہیں ہے:

فان ائمة الحديث لم يثبتوا الحسن البصرى من على سماعا صفحہ ۳

و) خرقہ صوفیہ والی روایت کہ خدا نے معراج میں آنحضرت ﷺ کو ایک خرقہ عطا کیا تھا اور حکم دیا تھا کہ جو صحابی اس کا حق ادا کر سکے اسے پہنا دینا، آنحضرت ﷺ نے حضرات صدیق اکبرؓ فاروق اعظمؓ اور عثمان غنیؓ سے فرداً فرداً سوال کیا کہ اگر یہ خرقہ تم کو دوں تو کیا کرو گے؟ ان کے جوابات سے آپؐ مطمئن نہ ہو سکے

---

۳۲) اکثر صوفیاء اسے حدیث سمجھتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ صوفی، شاعر اور عاشق بالعموم محدث نہیں ہوتے۔

لیکن حضرت علیؓ کے جواب سے مطمئن ہو گئے کہ واقعی تم اس کا حق ادا کر سکو گے۔
ملا علی قاری لکھتے ہیں کہ یہ روایت بالکل غلط ہے اور معاندین صحابہ ؓ کی وضع کردہ ہے۔

د) یہ روایت کہ حضرت علیؓ کی نماز قضا ہو گئی تھی اس لئے آنحضرت ﷺ نے آفتاب کو حکم دیا کہ غروب ہونے کے بجائے رجعت کر اور عصر کے وقت پر قائم ہو' تا کہ وہ نماز عصر وقت پر ادا کر سکیں' یہ بھی غلط ہے۔ (۳۳)

ہ) یہ روایت کہ حجۃ الوداع کے بعد آنحضرت ﷺ نے مجمع عام میں فرمایا کہ ''علیؓ میرا وصی ہے'' قطعاً غلط ہے اور بے بنیاد ہے۔

ط) یہ روایت کہ آنحضرت ﷺ نے ام المؤمنین سیّدۃ نساء العالمین حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہؓ سے فرمایا تھا کہ ''علیؓ کے خلاف خروج مت کرنا'' پھر آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ عائشہ خروج کرے تو تم ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا' سراسر کذب اور افتراء ہے اور ام المؤمنینؓ کے دشمنوں کی وضع کردہ ہے۔

ی) یہ روایت کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ کو کچھ اسرار اور باطنی علوم سکھائے تھے جو دوسرے صحابہ کو نہیں سکھائے' بالکل غلط ہے (۳۴)۔

ملا علی قاری کے اس قول پر کہ ''روافض نے حضرت علیؓ کے فضائل میں صرف تین لاکھ

---

۳۳) یہ عاجز حضرت علیؓ کی عزت ملحوظ خاطر رکھ کر عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہے کہ رجعت شمس اگر ہوتی تو اس دن ہوتی جب خود آنحضرت ﷺ اور تمام صحابہؓ کی چار نمازیں قضا ہو گئی تھیں۔ لہٰذا اس روایت پر عقلی اعتبار سے وہ اعتراض لازم آتا ہے جسے ارباب منطق ترجیح بلا مرجح کہتے ہیں۔ فافہم وتدبر

۳۴) یہ کم سواد عرض کرتا ہے کہ آنحضرت ﷺ بحیثیت رسول ایسا نہیں کر سکتے تھے۔ اسلام میں کوئی سِرّ (بھید) نہیں' کوئی راز نہیں' کوئی خفا نہیں' کوئی رمز و کنایہ نہیں۔ برعکس ایں اس کی تعلیم بالکل واضح' بین اور عیاں ہے اور اسکی پیش کردہ کتاب بھی بالکل واضح اور روشن اور جلی ہے۔ چنانچہ ﴿تِلْكَ آيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ﴾ میرے دعوے پر شاہد ہے۔ یہ اسرار و رموز تو باطنیہ نے اسلام میں داخل کئے ہیں جن میں جہلاء گرفتار ہو گئے اور اللہ و رسول سے بیزار ہو گئے۔ (یوسف)

روایتیں وضع کی تھیں'' اس اقتباس کو ختم کرتا ہوں۔

میرا مقصد اس اقتباس سے یہ ثابت کرنا تھا کہ میں نے جو کچھ اس بحث میں لکھا ہے اس کی تائید و توثیق ایک ایسے ماہر فن کی طرف سے ہو جائے جس نے اپنی ساری عمر احادیث کے پرکھنے میں گزاری تھی۔ اگر ناظرین ملائے موصوف کی کتاب کا مطالعہ کریں تو جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ اس سے زیادہ خود لکھ سکیں گے' بشرطیکہ تعصب مانع نہ ہو جائے۔

استدراک

بخوفِ طوالت میں نے علم الاعداد کا تعارف نہیں لکھا۔ اب خیال آیا کہ اتنی وضاحت ضرور کر دینی چاہئے کہ باطنیہ نے یہ علم کیوں ایجاد کیا تھا۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے سے عوام کے اذہان و قلوب کو کسی قیل و قال کے بغیر بہت جلد اور بہت آسانی سے متاثر کیا جا سکتا ہے۔ ذیل میں اس کی چار مثالیں درج کرتا ہوں:

۱) شیعوں کے بارہویں مزعومہ امام کی پیدائش ۲۵۶ھ میں بیان کی جاتی ہے۔ اس کی عظمتِ روحانی کا ثبوت برہان کے بجائے علم الاعداد کی مدد سے مہیا کیا گیا۔ عوام کو بتایا گیا کہ دیکھو! ''نور'' کے عدد بھی ۲۵۶ ہیں اس لئے ثابت ہوا کہ وہ نور ہے۔

۲) بہاء اللہ (بانیٔ مذہب بہائی) نے ۱۲۶۱ھ میں ''ظہورِ حق'' ہونے کا دعویٰ کیا۔ اس کے پیروؤں نے عوام کو مسحور کرنے کے لئے دلیل یہ دی کہ دیکھو! یہ ظہور الحق (بہاء اللہ کے لقب) کے عدد بھی ۱۲۶۱ ہی ہیں!

۳) حی کے عدد ۱۸ ہیں' اس لئے ۱۴ معصومین اور ۴ ابواب یعنی یہ ۱۸ افراد بھی زندہ ہیں۔

۴) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے حروف ۱۹ ہیں اس لئے ۱۹ کا عدد مبارک ہے' اس لئے بہائیوں کا مہینہ ۱۹ دن کا ہوتا ہے۔

۵) چونکہ ۹ کا عدد کامل ہے اس لئے جس شہر میں ۹ آدمی بہائی ہو جائیں وہاں بہائی محفل قائم کی جاسکتی ہے۔ (ماخوذ از ''باب کی نئی تاریخ'' مؤلفہ براؤن' ضمیمہ دوم' صفحہ ۳۲۸ تا ۳۳۹)

قارئین کی آگاہی کے لئے مختصر طور پر یہ کہے دیتا ہوں کہ باطنیہ نے اپنا مذہب جن فلسفیانہ افکار و تصورات کی مدد سے مدون کیا تھا ان میں فیثا غورث کے افکار بھی شامل تھے اور جیسا کہ فلسفے کے ہر طالب علم کو معلوم ہے کہ فیثا غورث نے اپنے فلسفے کی بنیاد اعداد پر رکھی تھی اور یہ قول کہ ۹ کا عدد کامل ہے' اسی کا ہے۔ مزید معلومات کے لئے مغربی فلسفے کی کسی مستند تاریخ کا مطالعہ کرلیا جائے۔

اس عاجز نے اس مضمون میں کئی جگہ یہ لکھا ہے کہ

ا) صوفیا بالعموم صرفیٔ حدیث نہیں ہوتے' اس لئے اکثر مواقع میں مقولے اور حدیث میں فرق نہیں کر سکتے۔

ب) بزرگان سلسلہ کے ملفوظات پر تنقید سوء ادب سمجھتے ہیں' یعنی جو باتیں ان سے منسوب کردی جاتی ہیں انہیں بلا تحقیق قبول کر لیتے ہیں۔

چونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ قارئین میرے اس رجحان یا نقطۂ نظر کو گستاخی پر محمول کریں گے اور اس طرز بیان کو ''چھوٹا منہ بڑی بات'' سے تعبیر کریں گے اس لئے میں ذیل میں ایک ایسے شخص کے ارشادات درج کرنا ضروری سمجھتا ہوں جو اگر ایک طرف دارالعلوم دیوبند میں شیخ الحدیث تھا تو دوسری طرف سلوک تصوف میں اتنا بلند مقام رکھتا تھا کہ حضرت مولانا احمد علیؒ صاحب لاہوری نے ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا تھا کہ میں ان کی کفش برداری کے لائق بھی نہیں ہوں۔ میری مراد حضرت اقدس سیّدی و مرشدی شیخ العرب والعجم مولانا الحاج الحافظ سیّد حسین احمد مدنیؒ سے ہے' جنہوں نے ۱۴ سال تک مسجد نبوی میں حدیث کا درس دیا تھا۔ حضرت اقدس اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

''صوفیہ کی کتابوں میں" رجعنا من الجهاد الا صغر الى الجهاد الاكبر" کو صحیح حدیث کہا گیا ہے' لیکن عسقلانی کا قول ہے کہ امام نسائی نے اسے ابراہیم بن

عیلہ کا کلام بتایا ہے۔ الفاظ کی رکاکت زبردست قرینہ ہے کہ یہ آنحضرت ﷺ کا قول نہیں ہوسکتا اور نہ حدیث کی متداول کتابوں میں شاہ عبدالعزیزؒ جیسے تبحر محدث نے دیکھا ہے۔ پس احادیث وغیر احادیث کا فیصلہ محدثین کے اصول و قواعد کی رو سے کیا جائے گا۔ کیونکہ ہر فن میں صاحب فن کی رائے اگر تسلیم نہ کی جائے تو امان اٹھ جائے گا اور شریعت کا بھرم جاتا رہے گا۔ بے چارے صوفیہ جن پر حسن ظن کا غلبہ ہوتا ہے' بھلا ان حضرات کو تنقید و تفتیش کی کہاں فرصت اور انہیں نہ اس کی عادت ہے۔ پس جو سن لیا یا دیکھ لیا' اسے باور کرلیا۔ ان کے اس حسن ظن سے کسی قول کا حدیث رسول ہونا ثابت نہیں ہو جائے گا''۔ (مکتوبات شیخ الاسلام' جلد اول' صفحہ ۳۰۷' ۳۰۸)

اگر چہ میرے زوایہ نگاہ کی تصویب و تصدیق کے لئے یہی اقتباس کافی ہے' تاہم مزید اطمینان کیلئے ایک اور اقتباس پیش کئے دیتا ہوں۔ حضرت اقدس فرماتے ہیں:

''عرض ہے کہ یہ اکابر (حضرت بابا فریدؒ اور حضرت محبوب سبحانیؒ) علم طریقت اور تصوف کے ائمہ عظام ہیں لیکن علم ظاہر اور شریعت کے امام نہیں ہیں۔ اس کے امام حضرات ابو حنیفہ و ابو یوسف اور دیگر فقہائے کرام ہیں۔ اس بارے میں (سجدۂ تعظیمی کے بارے میں) ان حضرات کا قول و فعل حجت ہوگا۔ حضرات شیخ عبدالقادر جیلانیؒ' جنید بغدادیؒ' خواجہ بہاؤ الدین نقشبندیؒ اور خواجہ معین اجمیریؒ کے اقوال' فتاویٰ اور اعمال حجت نہیں ہوں گے۔ اگر چہ یہ حضرات علم طریقت کے سب سے اونچے پہاڑ ہیں''۔ (مکتوب ۸۸' از مکتوبات شیخ الاسلامؒ جلد سوم' صفحہ ۲۳۵)

حضرت اقدسؒ کے ان ارشادات اور ان کی تصریحات کی روشنی میں یہ بات ثابت ہوگئی کہ میرا زوایہ نگاہ بالکل درست ہے۔ الحمدللّٰہ علی ذلک۔

میں نے اس مضمون میں کئی جگہ اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ اسمٰعیلیہ باطنیہ فرقے نے صوفیوں کے لباس میں اپنے خیالات کی اشاعت کی' جس کی وجہ سے خالص اسلامی تصوف میں باطنی روایات اور عقائد کی اس طرح آمیزش ہوگئی کہ آج اکثر سنی صوفیاء ان روایات اور ان عقائد کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ اس کی تائید میں ایک شیعہ

مصنف کی کتاب سے چند اقتباسات پیش کرتا ہوں:

پروفیسر سیّد حسین نصر (تہران یونیورسٹی) نے حال ہی میں ایک کتاب انگریزی میں لکھی ہے جس کا نام ہے (Ideals and Realities of Islam) ''اسلام کے مطامح نظر اور حقائق۔'' وہ لکھتے ہیں:

''منگولوں کے حملے کے دور میں ایران میں اسمٰعیلی طاقت کا خاتمہ ہوگیا۔ اس عہد میں اسمٰعیلیت مستور ہوگئی۔ اور بہت سے علاقوں میں صوفیوں کے سلسلوں میں ظاہر ہوئی (تاکہ اس کے دعاۃ مخالفت سے محفوظ رہ سکیں)۔ دراصل اس زمانے میں تصوف اور اسمٰعیلیت میں اتحاد کی ایک مستقل صورت پیدا ہوگئی تھی جس کا تحقیقی مطالعہ ابھی تک نہیں کیا گیا ہے''۔ صفحہ ۶۰۔۱۵۹

''اثنا عشری شیعیت میں مذہب کے ظاہری اور باطنی پہلوؤں کو بالخصوص اہمیت دی گئی ہے اور اس اعتبار سے وہ تصوف کی ہمنوا ہے''۔ صفحہ ۱۶۰

''تصوف اور تشیع دونوں کی تعلیم یہ ہے کہ ''نور محمدی'' آدم سے لے کر ہر نبی کی ذات میں موجود رہا ہے''۔ صفحہ ۱۶۰

''اسمٰعیلیت اور تصوف دونوں کی تعلیم یہ ہے کہ اصل اعلیٰ (Supreme Principle) بیک وقت موجود بھی ہے اور فوق الوجود بھی ہے''۔ صفحہ ۱۶۹

پروفیسر مرزا محمد سعید اپنی محققانہ تصنیف ''مذہب اور باطنی تعلیم'' میں لکھتے ہیں کہ

''ہماری رائے میں اس بات کے باور کرنے میں کوئی تامل نہیں ہوسکتا کہ اس مقبولیت سے فائدہ اٹھا کر، جو تصوف کو ایران میں بارہویں صدی سے پندرہویں صدی عیسوی تک حاصل تھی، بہت سے نزاری (اسمٰعیلی) مبلغ، صوفیاء اور درویشوں کے لباس میں عوام کو مسخر کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں''۔ صفحہ ۳۲۸

نیز اسی صفحے پر لکھتے ہیں:

''یہ مان لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہوسکتا کہ بعض اسمٰعیلی مبلغ تصوف کا ظاہری جامہ پہن کر عوام الناس کی ارادت اور عقیدت حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے اور بعض جماعتیں مثلاً اناطولیا کے بیکتاشی یا کشمیر کے نوربخشی جو متصوفانہ سلوک و طریقت کا دعویٰ کرتی ہیں، درحقیقت شیعہ باطنیہ خیالات سے ملوث ہیں''۔ صفحہ ۳۲۸

نظام خلافت کیا ہے؟

- **نظام خلافت**: اللہ تعالیٰ کی حاکمیت مطلقہ کے اعلان و اقرار اور قرآن و سنت کی غیر مشروط بالادستی کے عملی نفاذ کا نام ہے۔
- **نظام خلافت**: اسلامی ریاست کے ہر شہری مسلم ہو یا غیر مسلم، کی جان و مال عزت و آبرو کی حفاظت کی ضمانت دیتا ہے۔
- **نظام خلافت**: اسلامی ریاست کے ہر شہری کی بنیادی ضروریات یعنی غذا، لباس، رہائش، علاج و تعلیم وغیرہ کا ذمہ دار ہے۔
- **نظام خلافت**: تمام کائنات اور انسانوں کے خالق و مالک کے ابدی پیغام کو تمام دنیا کے انسانوں تک پہنچانے کا اہتمام کرتا ہے۔
- **نظام خلافت**: اسلامی ریاست کے تمام شہریوں کو فوری عدل و انصاف فراہم کرنے کا ضامن ہے۔
- **نظام خلافت**: میں مردوں اور عورتوں کے الگ الگ دائرہ کار معین ہیں۔ یہ نظام عورت کو پورا اختیار دیتا ہے کہ اللہ اور رسولؐ کی قائم کردہ ستر و حجاب کی حدود کو پیش نظر رکھتے ہوئے بوقت ضرورت کاروبارِ حیات میں شرکت کر سکے۔
- **نظام خلافت**: عورتوں کی عزت و ناموس کا محافظ اور حقوق نسواں کا پاسبان ہے۔
- **نظام خلافت**: نہ صرف یہ کہ تمام انسانوں کی تعلیم و تربیت کا خصوصی اہتمام اس نقطۂ نگاہ سے کرتا ہے کہ وہ اپنے مقصد حیات سے آگاہ ہوں، بلکہ اس کے مطابق ان کی رہنمائی اور مدد بھی کرتا ہے۔
- **نظام خلافت**: مسلمانوں کے دلوں میں جذبۂ جہاد کی روح بیدار کرنے کا ضامن بھی ہے تاکہ حزب الشیطان کے حملوں کا مؤثر جواب دیا جا سکے۔

خلاصہ کلام:

نظامِ خلافت کا قیام وقت کی اہم ترین ضرورت ہے!

قرآن فہمی بذریعہ خط و کتابت کورس

گھر بیٹھے قرآن کی ابدی تعلیمات سے آگاہی اور عربی زبان کے بنیادی قواعد سیکھنے کا

نادر موقع !

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام اپنی نوعیت کے 3 منفرد

خط و کتابت کورسز میں داخلے جاری ہیں

1) قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی

قرآن کی ابدی ہدایت سے استفادے کے نقطۂ نگاہ سے یہ نہایت مفید اور مؤثر کورس ہے۔ اس کورس کے لئے اعانتی مواد مطبوعہ شکل میں بھی دستیاب ہے' مزید برآں 44 آڈیو کیسٹ کے سیٹ کی صورت میں اور کمپیوٹر CD کی صورت میں بھی اعانتی مواد فراہم کیا جا سکتا ہے۔

2) عربی گرامر خط و کتابت کورس (I' II' III)

قرآن و حدیث کی زبان یعنی عربی سے واقفیت کے لئے اس کے قواعد کو جاننا بہت ضروری ہے۔ عربی گرامر کورس مرکزی انجمن کی شائع کردہ کتاب آسان عربی گرامر کے تین حصوں پر مشتمل ہے جس میں عربی گرامر کے تقریباً تمام ضروری قواعد کا احاطہ کیا گیا ہے۔

3) ترجمہ قرآن حکیم کورس

یہ کورس خصوصی طور پر نوجوان طلبہ و طالبات کے لئے ترتیب دیا گیا ہے جنہیں قرآنی الفاظ کے معانی براہِ راست سمجھائے اور یاد کرائے جاتے ہیں اور اس طرح آیاتِ قرآنی کا مفہوم سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

داخلہ کے خواہش مند حضرات پراسپکٹس کے حصول اور دیگر معلومات کیلئے درج ذیل پتے پر رجوع کریں!

ناظم شعبہ خط و کتابت کورس

قرآن اکیڈمی' 36۔کے' ماڈل ٹاؤن لاہور' فون : 03-5869501